یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کا ایک ماڈل ادارہ

علی گڑھ بچوں کا گھر

آفس: آزاد نگر، دودھ پور روڈ، علی گڑھ 200202
فون: 09358256899

آپ کو اس بات سے خوشی ہوگی کہ علی گڑھ میں یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے علی گڑھ بچوں کا گھر کے نام سے یہ ادارہ مارچ 1998 سے قائم ہے۔

اس وقت 100 بچوں کے قیام وطعام اور تربیت کا پورا انتظام مفت ہے۔

ان بچوں کو معیاری اسکولوں میں تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں اسلامی تربیت اور ذہین طالب علم بنانے کی بھرپور کوشش ہمارے پروگرام کا اہم حصہ ہے۔

اس سیشن میں KG سے کلاس 8th تک بچوں کے **داخلے** کی گنجائش ہے

فوری رابطہ کریں
سیکریٹری ادارہ ہذا

”اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (قرآن)

دعوت

سہ روزہ

نئی دہلی

قرآن اکیڈمی، صفا کمپلیکس، ڈومریا گنج، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

کی فخریہ پیشکش

(۱) ریاض الصالحین (ہندی) دو جلدیں، از: علامہ نوویؒ، صفحات 1792، قیمت -/Rs.550

(۲) مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، از: پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی، صفحات: ۵۹۸، قیمت: -/Rs.300

(۳) مدارس کے نصاب تعلیم میں قرآن کریم کا مقام اور اس کا منہج تدریس (مجموعہ مقالات)

مرتب: مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، صفحات 400، قیمت -/Rs.150

ملنے کا پتہ:

Darul Kitab, A-1, Jogabai Ext. Khajuri Road, Jamia Nagar, N.Delhi-25
Phone: +91-11-26980153 Fax: +91-11-26976984

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۱۵ ● ۱۳ر فروری ۲۰۰۹ء ● 13 Feb. 2009 ● جمعہ ● ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 11 Feb. 2009 Wednesday

اجودھیا معاملہ کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھانے کی ایک اور کوشش

آر ایس ایس کے دباؤ میں جہاں ایک طرف بی جے پی نے ایک بار پھر لوک سبھا انتخابات میں ہندتو کی راہ پر چلنے اور اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کے نام پر ووٹ مانگنے کا اعلان کیا ہے وہیں دوسری طرف ۸ر فروری کے ”دینک ہندوستان“ کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ ۱۷ ربرسوں سے بابری مسجد کے انہدام کی جانچ کرنے والے ایک رکنی جسٹس لبرہن کمیشن نے انتظار کی گھڑیاں ختم کرتے ہوئے لوک سبھا انتخابات تک اپنی رپورٹ پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں تو ایک بار پھر ملک میں خصوصاً عام انتخابات کے وقت اجودھیا کا معاملہ گرم ہوسکتا ہے اور انتخابی نتائج سے متعلق تمام قیاس آرائیوں اور سیاسی پارٹیوں کے اندازوں میں پھیر بدل کرسکتا ہے۔

اسے اتفاق کہا جائے یا سیاسی گیم کہ مذکورہ دونوں فیصلے ایک ہی دن ہوئے۔ انتخابی تیاریوں کے پیش نظر بی جے پی ناگپور میں منعقد اپنی قومی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں حالیہ چند ریاستوں کے اسمبلی انتخابات کی طرح ترقی کو انتخابی منشور میں مرکزی حیثیت دینا چاہتی تھی لیکن عین موقع پر مادر تنظیم آر ایس ایس نے مداخلت کرکے یا دباؤ ڈال کر پارٹی کا ایجنڈا تبدیل کرادیا ہے۔ ترقی کو انتخابی ایجنڈے میں ثانوی حیثیت دلادی اور پارٹی کو ایک بار پھر ہندتو کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے اجودھیا کے نام پر ہی الیکشن لڑنے کا پابند بنادیا جس کے بعد پارٹی کے صدر راج ناتھ سنگھ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ رام مندر ہمارا عزم ہے کوئی ہمیں اس سے دور نہیں رکھ سکتا، ہم اپنے حلیفوں کو اعتماد میں لے کر اجودھیا میں عظیم الشان مندر تعمیر کرائیں گے اور اگر پارٹی واضح اکثریت سے مرکزی اقتدار میں آئی تو قانون سازی کے ذریعہ رام مندر کی تعمیر یقینی بنائی جائے گی لیکن جب حلیف پارٹی خصوصاً جنتادل متحدہ اور اکالی دل (بادل) نے اس پر سخت اعتراض کیا گیا تو دوسرے ہی لمحہ صفائی پیش کرنے کے لئے بی جے پی کے جنرل سکریٹری ارون جیٹلی سامنے آئے اور انہوں نے یہ کہہ کر این ڈی اے میں اس تنازعہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ این ڈی اے کی ہر پارٹی کا اپنا اپنا ایجنڈا اور اتحاد کا نیشنل ایجنڈا الگ ہے۔ رام مندر کا معاملہ بی جے پی کے ایجنڈے میں شامل ہے نہ کہ اتحاد کے۔

جہاں تک دوسری خبر جو بابری مسجد کے انہدام کی تحقیقات سے متعلق ہے کا تعلق ہے تو گزشتہ ۱۷ ربرسوں سے اس واقعہ کی جانچ کی جارہی ہے۔ اب تک ۴۷ بار کمیشن کی میعاد میں توسیع کی جاچکی ہے اور اس پر سات کروڑ سے بھی زیادہ روپئے خرچ کئے جاچکے ہیں۔ اس طرح یہ کمیشن سب سے خرچیلا رہا بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے طویل المدتی بھی رہا۔ اس کی رپورٹ کا جتنی بے صبری سے انتظار کیا جارہا ہے اور ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا کی نگاہیں جس طرح اس پر مرکوز ہیں۔ شاید اسی کو ہی دیکھتے ہوئے ۸ سال تک کمیشن میں وکیل رہ چکے اور جسٹس لبرہن سے کچھ اختلافات کی بنیاد پر ان سے علیحدہ اختیار کرنے والے انوپ گپتا نے یہ بات کہی ہے کہ اگر تحقیقاتی رپورٹ کھودا پہاڑ، نکلا چوہا ثابت ہوئی تو تاریخ جسٹس لبرہن کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

۴۷ ویں توسیع کے بعد کمیشن کی میعاد ۳۱ر مارچ ۲۰۰۹ء کو پوری ہورہی ہے۔ اگر اس سے قبل کمیشن رپورٹ پیش کرتا ہے تو وہ ٹھیک عام انتخابات کا وقت ہوگا کیونکہ عام انتخابات اپریل اور مئی میں ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے رپورٹ کے حق میں اور مخالفت میں ملکی سیاست گرم ہوسکتی ہے کیونکہ اگر کمیشن نے اپنی ذمہ داری کے مطابق ان لوگوں کی نشاندہی کی جنہوں نے مسجد گرانے میں اہم رول ادا کیا اور یہ بتایا کہ مسجد کیوں اور کیسے گرائی گئی تو کئی سیاستداں کٹہرے میں کھڑے ہوسکتے ہیں اور سیاسی پارٹیاں بھی پھنس سکتی ہیں۔ کمیشن نے اگست ۲۰۰۵ء ہی میں اپنی سماعت مکمل کرلی تھی۔ گزشتہ ساڑھے تین برس سے وہ رپورٹ تیار کررہی ہے۔ رپورٹ تیار کرنے میں وقت لگنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ کافی ضخیم ہوگی اور اس میں لوگوں اور میڈیا کو کافی دلچسپی بھی ہوگی اس کا احساس جسٹس لبرہن کو بھی ہے جیسا کہ گزشتہ دنوں انہوں نے کہا تھا کہ اس کمیشن میں کافی دلچسپی لی جارہی ہے۔ مجھ پر میڈیا کی گہری نظر ہے اور وہ ہمارے محاسبہ کی کوشش بھی کرے گا۔

اجودھیا کے سلسلہ میں اب تک مسلمانوں کا تجربہ کافی تلخ رہا ہے خواہ وہ بابری مسجد میں تالہ لگوانے پھر اس میں چوری چھپے مورتیاں رکھوا کر مندر کی شکل میں پوجا پاٹ کے لئے کھولنے کا معاملہ ہو یا محکمہ آثار قدیمہ کے ذریعہ الہ آباد ہائی کورٹ کی خصوصی لکھنؤ بنچ کی ہدایت پر مسجد کے ارد گرد کھدائی اور اس کی رپورٹ پیش کرنے کا معاملہ ہو۔ یا بابری مسجد کے انہدام کے مقدمات کا معاملہ جو ۱۷ سال بعد بھی مختلف عدالتوں کا چکر لگا کر آج بھی ابتدائی پوزیشن میں ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ لبرہن کمیشن اپنی رپورٹ میں کس طرح کے حقائق پیش کرتا ہے اور حکومت وسیاسی پارٹیاں رپورٹ کو کس طرح لیتی ہیں۔ آٹھ سال تک کمیشن میں رہنے کے بعد ۲۰۰۷ء میں رپورٹ کی تیاری کے وقت جسٹس لبرہن کے ساتھ اختلاف کے باعث جس طرح علیحدگی اختیار کی اس سے اگر کوئی اندیشہ کرتا ہے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کے اور جسٹس لبرہن کے درمیان اختلافات اس وقت شروع ہوئے تھے۔ جب جب بی جے پی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے اپنے بیانات قلمبند کرائے اس وقت وہ مرکزی وزیر داخلہ تھے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ جب انوپ گپتا نے مسٹر آڈوانی سے سختی سے جرح کی تھی تو مسٹر آڈوانی ناراض ہوگئے تھے اور انہوں نے جسٹس لبرہن سے شکایت کی تھی، جس کے بعد جسٹس لبرہن نے گپتا کو جرح کے دوران نرمی برتنے کی ہدایت دی تھی۔

بہرحال کمیشن کی رپورٹ میں جیسا کہ امکان ہے کہ وزارت عظمیٰ کے لئے بی جے پی کے امیدوار ایل کے آڈوانی اور اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ کو کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے تو کچھ سیاسی پارٹیوں کے لئے یہ فائدے مندر اور نقصان دہ دونوں بن سکتی ہے۔ اور انتخابی منظر نامہ تبدیل ہوسکتا ہے۔ سب سے بڑا سوال تو یہ کھڑا ہوگا کہ الیکشن کے وقت رپورٹ پیش کرنے کا مقصد کیا تھا وہ بھی ایسے وقت جب بی جے پی نے اسے مرکزی انتخابی ایشو بنانے کا اعلان کیا۔ اس سے بڑا سوال یہ ہوگا کہ تحقیقاتی رپورٹ پر کیا ہوگا؟ کیا حکومت اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی کرے گی۔ یا اسے بھی اقلیتوں سے متعلق دیگر تحقیقاتی رپورٹوں کی طرح فائلوں کی زینت بنادے گی؟

(ص ن)

اندیشوں اور خطرات کا دُور کیا جانا ضروری ہے مگر...

جرمنی کے شہر میونخ میں حال ہی میں ایک بین الاقوامی سیکورٹی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں سلامتی کے نقطۂ نظر سے پوری دنیا کی موجودہ صورت حال پر غور کیا گیا، حالات کا جائزہ لیا گیا اور خطرات وخدشات پر قابو پانے اور ان کے ازالے کی صورتیں تجویز کی گئیں۔ دنیا بھر سے لوگ یہاں جمع ہوئے، سرکاری نمائندے بھی اور سلامتی کے امور پر کام کرنے والے اداروں کے سربراہ بھی، ان امور سے دلچسپی رکھنے والے اور تجاویز ومشورے اور منصوبہ سازی کرنے والے بھی اس کانفرنس میں موجود تھے، اس لئے ساری دنیا کی نظریں اس کانفرنس پر لگی ہوئی تھیں۔ سرکاری نمائندوں نے اپنے اپنے ملکوں کا نقطہ نظر پیش کیا، امریکی نائب صدر جوزف بائڈن بھی اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے امریکی نقطۂ نظر پیش کیا اور امریکی نقطۂ نظر سے امن وسلامتی کی موجودہ عالمی صورت حال تجزیہ پیش کیا، انہوں نے اس سلسلہ میں امریکہ کی ترجیحات پر بھی روشنی ڈالی، یہ بھی بتایا کہ امریکی نقطۂ نظر سے امن وسلامتی کی بین الاقوامی صورت حال کیا ہے اور امریکہ اسے کیسا دیکھنا چاہتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ عالمی امن وسلامتی کو کون کون سے خطرات لاحق ہیں کون کون سے اندیشے ہیں، ان کا ازالہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

باہمی تصادم سے امن درہم برہم ہوتا ہے اور سلامتی خطرے میں پڑتی ہے، یہی صورت فرد کی سطح پر بھی ہے اور قوموں اور ملکوں کی سطح پر بھی۔ جب دو آدمی آپس میں لڑیں گے تو ان کا امن وچین غارت ہوگا اور سلامتی خطرے میں پڑے گی، اس سے آس پاس کا ماحول اور قریب ودور کے متعلقین کا متاثر ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب دو یا دو سے زیادہ گروہ آپس میں جھگڑا کریں گے تو جتنے بھی گروہ اس جھگڑے میں ملوث ہوں گے، ان کا امن وچین ختم ہوگا اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہوگا، اس کے اثرات کا دائرہ فرد کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہوگا اور تباہی اور نقصان بھی زیادہ بڑے پیمانے پر ہوگا۔ اس کے مضرات بھی دُور تک جائیں گے اور اگر دو قومیں آپس میں لڑ جائیں یا دو ممالک آپس میں لڑ جائیں تو ظاہر ہے اس کا نقصان اور بھی زیادہ ہوگا اور تباہی بہت زیادہ ہوگی۔ مال واسباب کا ہی نقصان نہیں ہوگا بلکہ جانوں کا ضیاع بھی ہوسکتا ہے، نجی ملکیت کو بھی اس سے نقصان پہنچے گا اور سرکاری املاک بھی تباہ ہوں گی۔ اس کا ازالہ آسان نہیں ہوگا بلکہ اس میں برسوں لگ سکتے ہیں۔ اس سے صرف وہی لوگ یعنی اقوام اور ممالک متاثر نہیں ہوتے جو اس میں براہ راست ملوث ہوتے ہیں بلکہ قریب ودور کے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آتے ہیں بلکہ پورا خطہ متاثر ہوتا ہے۔

جس طرح فرد کی سطح پر اختلاف وآویزش سماج کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اسے سلجھانا سماج کی ذمہ داری ہوجاتی ہے ٹھیک اسی طرح گروہی تصادم کو ختم کرانا اور اس کے اسباب کو دُور کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ریاستوں کے درمیان تصادم کو ختم کرانا پوری انسانیت کی ذمہ داری ہوجاتی ہے۔ یہ امن اور سلامتی کے بنیادی تقاضے ہیں۔ اگر جھگڑے نہ چکائے جائیں، تصفیہ طلب امور حل نہ کرائے جائیں، امن اور سلامتی کو غارت کرنے والے اسباب دور نہ کئے جائیں تو یہ کرہ رہنے بسنے کے لائق نہیں رہ جائے گا یہاں زندگی ممکن نہیں رہ جائے گی اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ امن وسلامتی کو یقینی بنایا جائے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ امن وسلامتی کو غارت کردینے والے عوامل دور کئے جائیں۔ امن وسلامتی کو جن امور وسائل سے خطرہ لاحق ہو انہیں دور کیا جائے اور خطرات اور اندیشوں کو پنپنے ہی نہ دیا جائے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام موجود ہو جو نہ صرف اس پر نظر رکھے کہ حالات کیا کروٹ لے رہے ہیں اور کس رُخ پر جارہے ہیں بلکہ وہ خرابی حالات کے ازالے کا نظم بھی کرے۔ وقفہ وقفہ سے اس کا جائزہ لیا جاتا رہے کہ غارت گر تو کہیں نہیں پیدا ہورہے ہیں، ان کا ہاتھ پکڑ جائے انہیں ایسا کرنے سے روکا جائے۔

امن وسلامتی کو غارت کردینے والی بے شمار چیزیں ہوسکتی ہیں ان میں ایک چیز ہتھیار بھی ہیں، ہتھیار جمع کرنا، ہتھیار بنانا، ہتھیار پھیلانا یہ سب خطرناک ہیں، اس طرح ہتھیار فروخت کرنا، اس کے بنانے کے طریقوں کو کاروباری مقاصد کے لئے استعمال کرنا بھی اتنا ہی خطرناک ہے جتنا کہ ہتھیار جمع کرنا، بنانا اور پھیلانا ہے۔ ہتھیار جمع کرنا، بنانا اور پھیلانا جس طرح فرد کے لئے ممنوع ہونا چاہئے اس طرح گروہوں، قوموں اور ریاستوں کے لئے بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ جب ایک چیز خطرناک ہے اور اس سے امن وسلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے تو وہ کام خواہ فرد کی سطح پر ہو یا اس سے بڑے دائرے میں ہو ہر حال میں خطرناک ہے اور ہر سطح پر اس کی

باقی صفحہ ۸ پر

بلاتبصرہ

مسٹر کلیان سنگھ کا تازہ اعتراف چونکانے والا ہے۔ انہوں نے بابری مسجد انہدام کو، جس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اپنی زندگی کا سب سے زیادہ قابل فخر لمحہ قرار دیا ہے۔ واضح ہے کہ اپنی ”سرپرست پارٹی“ (بی جے پی) کی جانب سے نظر انداز کئے جانے کے بعد سابق سخت گیر ہندتو وادی لیڈر کلیان سنگھ اب مسلمانوں کو لبھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ ایسے میں ان کا یہ بیان مسلمانوں کے غصے میں اضافہ ہی کرسکتا ہے۔

رجنیش راج یادو، بھاگلپور
ہندو، ۷ر فروری ۲۰۰۹ء

ڈاکٹر قدیر کی رہائی کا دفاع

اسلام آباد- پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے متنازعہ جوہری سائنسداں ڈاکٹر عبدالقدیر کی رہائی کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خفیہ جوہری توسیع کے نیٹ ورک کو ختم کردیا گیا ہے۔ اب وہ تاریخ بن چکے ہیں۔ ان کا پاکستان کے کسی بھی علاقہ میں نہ تو کوئی دخل ہے اور نہ ہی رسائی۔ واضح رہے کہ پانچ سال تک نظر بند رہنے کے بعد اسلام آباد، ہائی کورٹ نے ڈاکٹر خان کو آزاد شہری قرار دے دیا۔ اور ان کی نظر بندی ختم کردی۔ ان کی رہائی پر امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر بڑی قوتوں نے تشویش ظاہر کی ہے۔ عدالت کے فیصلہ کے مطابق ڈاکٹر خان کو ہر جگہ آنے جانے کی اجازت ہوگی اور انہیں سیکورٹی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

افغانستان ہمارے لئے بوجھ/ فرانس

واشنگٹن- فرانس کے وزیر خارجہ برنارڈ کوچنر نے یہاں امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن سے ملاقات کے بعد کہا کہ افغانستان اب ہمارے لئے بوجھ بن چکا ہے۔ افغانیوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے دینا چاہئے۔ تاہم وہاں حالات بہتر بنانے اور جمہوری طریقے سے منتخب سرکار کو حمایت دینے کے پیش نظر ہمیں کامیاب ہونے کی ضرورت ہے۔ دریں اثنا امریکہ اس سال گرمی کے موسم میں تین اضافی دستے جن میں ۱۷ ہزار فوجی ہوں گے۔ افغانستان بھیجنے پر غور کررہا ہے ویسے اوبامہ انتظامیہ کا منصوبہ ہے کہ وہاں ایک سے ڈیڑھ سال کے اندر امریکی فوجیوں کی تعداد بڑھا کر ۶۰ ہزار کردی جائے۔

اوبامہ کا فیصلہ مثبت پیش رفت

میونخ- ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر علی لاریجانی نے یہاں سیکورٹی کانفرنس میں کہا کہ امریکی صدر بارک حسین اوبامہ کی طرف سے مغربی ایشیا میں خصوصی ایلچی بھیجنے کا فیصلہ مثبت پیش رفت ہے۔ کیونکہ مسٹر اوبامہ نے واضح کیا ہے کہ یہ ایلچی کسی کو ہدایت دینے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی بات سننے کے لئے بھیجا گیا ہے مسٹر لاریجانی نے یہ بھی کہا کہ سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ایران- امریکہ تعلقات کی راہ میں جو کانٹے بوئے تھے انہیں ہٹانا بہت ضروری ہے۔

میزائل ڈیفنس سسٹم امریکہ کا جواب

میونخ- روسی صدر دیمتری میدیودیف کے حوالہ سے نائب وزیر اعظم سگوئی ایوانسوف نے یہاں سیکورٹی پالیسی پر بین الاقوامی کانفرنس میں کہا کہ روسی صدر پہلے ہی واضح کرچکے ہیں کہ اگر امریکی وسطی یورپ میں میزائل سیکورٹی سسٹم نہیں لگائے گا تو روس بھی کالن گراڈ میں مجوزہ یہ سسٹم نہیں لگائے گا۔ روس کا یہ فیصلہ امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی طرف سے پولینڈ اور چیک جمہوریہ میزائل ڈیفنس سسٹم لگانے کے فیصلہ کے بعد ہی کیا گیا۔

بنگلور دھماکوں کی تحقیقات مکمل

بنگلور- بنگلور پولیس نے ۲۵ر جولائی ۲۰۰۸ء کو یہاں ہوئے سلسلہ وار بم دھماکوں کے معمہ کو حل کرنے کا دعویٰ کیا ہے پولیس نے اپنی جانچ مکمل کرلی ہے۔ مذکورہ بم دھماکوں میں ایک خاتون کی موت ہوگئی تھی جب کہ آٹھ دیگر زخمی ہوگئے تھے۔

اسرائیلی سفیر پر بھی جوتا

اسٹاک ہوم- سویڈن میں اسرائیلی سفیر بینی ڈیگن پر تقریر کے دوران اسٹاک ہوم یونیورسٹی میں جوتا پھینکا گیا جس کا مقصد فلسطین سے متعلق اسرائیلی پالیسیوں پر ناراضگی کا اظہار تھا۔ عرب دنیا میں جوتا پھینک کر مارنا زبردست بے عزتی ہے حالیہ دنوں میں سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر عراق میں اور چینی وزیر اعظم وین جیاباؤ پر برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی میں جوتا پھینکنے کے واقعات سامنے آئے ہیں۔ غرضیکہ اظہار ناراضگی کے لئے جوتا پھینکنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔

خبر ونظر

دو مغربی ریاستوں کی دو خبریں

پہلی خبر گجرات سے ہے کہ وہاں دلت برادری کے مُردوں کو دفنانا ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ ریاست کی کئی برادریاں اپنے مردوں کو جلانے کی بجائے دفناتی ہیں، ان کے قبرستان بھی ہیں مگر ان میں ”نچلی ذاتوں“ کے مردوں کو دفنانے نہیں دیا جاتا۔ بیشتر دیہات میں ان کے لئے جگہ نہیں ہے، بیکار پڑی زمین پر دفناتے ہیں لیکن اب ایسی جگہوں پر بھی ”اونچی“ ذاتوں کے لوگ قبضہ کرلیتے ہیں۔ میل ٹوڈے (۳ر فروری) کی ایک رپورٹ کے مطابق ریاست کے دلت اس صورتحال سے سخت پریشان ہیں—اور دوسری خبر راجستھان کی ہے کہ بھیلواڑہ ضلع کے تکولی گاؤں کے ہنومان مندر کے یگیہ میں دلت برادری کے لوگوں کو حصہ لینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابتداء میں منتظمین نے انہیں اس کی اجازت دے دی تھی۔ دلتوں نے اس کے لئے چندہ بھی دیا تھا اور میدان کی تیاریوں میں حصہ بھی لیا تھا لیکن بعد میں پجاریوں نے ان کی شرکت پر پابندی لگادی۔ دلت لیڈروں کی مداخلت پر پجاریوں نے شرط رکھی کہ دلت برادری کے لوگ خود کو پوتر کرنے کے لئے گائے کا گوبر کھائیں اور پیشاب پئیں، اس کے بعد ہی یگیہ میں حصہ لے سکیں گے۔ (دی ہندو، ۵ر فروری)۔ تنازعہ جاری تھا، بعد میں پتہ نہیں کیا ہوا۔

غیر ملکی مبصرین کی الجھن

انسانوں کے اس طبقے کو، جسے کبھی ہریجن کہا جاتا تھا اور اب دلت کہا جاتا ہے، اس ذلت کا سامنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ان پر مظالم کے واقعات تو روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں جن کی خبریں میڈیا میں بہت کم آتی ہیں۔ گویا سماجی لحاظ سے انسانوں کے یہ طبقات آج بھی ذلت کے اُسی مقام پر ہیں جہاں سیکڑوں سال پہلے تھے۔ اگرچہ معاشی اعتبار سے ان کی حالت یقیناً بہتر ہوئی ہے۔ انہیں اس ذلت سے نکال کر سماج میں برابری دینے کے لئے درجنوں تحریکیں چلیں، متعدد مصلحین اور قائدین پیدا ہوئے، سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں، لیکن صورتحال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ ہندوستانی ماہرین کے لئے غور وفکر کا یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ غیر ملکی ماہرین بھی اس صورتحال کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ ان کے لئے یہ امر حیران کن ہے کہ ہندوستان میں انسانوں کی ایک بہت بڑی آبادی کو خود انسانوں نے اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد پر اس حالت میں رکھا ہوا ہے۔ غیر ملکی مبصرین نے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان کے سامنے ایک سوال یہ بھی رہا ہے کہ اس ذلت کے باوجود یہ آبادی آخر اُسی سماجی نظام کا حصہ کیوں بنی ہوئی ہے، اس کی کیا مجبوری ہے۔

اصل مسئلہ ہمیشہ نظر انداز ہوا

ہاں یہی بنیادی سوال ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جواب ہے (۱) سماجی نظام بنانے والوں کی ذہانت اور (۲) دلت مصلحین وقائدین کا طرز عمل۔ نظام کے بانیوں نے اسے قائم رکھنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا وہیں مصلحین نے اصل مسئلہ کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ عزت نفس کی ہر تحریک کو بام عروج تک لے جانے کے بعد اس کے لیڈروں نے یا تو ہتھیار ڈال دیئے یا بانیوں سے سمجھوتہ کرلیا۔ ماضی قریب کی سیاسی تحریکوں میں لیڈروں کا رویہ یہ رہا ہے کہ خود کو اس پوزیشن تک لے جانے کے بعد کہ وہ اس نظام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اپنی ایک قیمت مقرر کرلی۔ اور جب وہ قیمت لگ گئی تو اُسی نظام کا حصہ بن گئے۔ اس صورت میں اصل اور بنیادی حل تک پہنچنے کی نوبت بھلا کیوں کر آتی؟ یعنی یہ کون سوچتا کہ مسئلہ کی جڑ عقیدہ ہے جسے تبدیل کئے بغیر اس حالت سے نکلنا ممکن نہیں۔ اگر نظام کے بانیوں نے ایک عقیدہ وضع کرکے کچھ انسانی آبادیوں کو ”نیچ“ قرار دے دیا تھا تو یہ ان کی ضرورت تھی لیکن نیچ قرار دی جانے والی آبادیوں کے ساتھ کیا مجبوری تھی؟ پھر اس کے بعد یہ سوال آنے والا تھا کہ تبدیلی کے بعد نیا عقیدہ کیا ہو؟ یہ سوال اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ تبدیلی کے فیصلے کے باوجود دلت لیڈر کوئی ایسا عقیدہ اختیار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے جو انہیں اس حالت سے واقعی نکال دیتا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی مثال سامنے ہے (پ ر)

آیورویدک کی طرح طب یونانی کو مواقع کیوں نہیں؟

اتر پردیش سے الگ کرکے تشکیل دی گئی نئی ریاست اتراکھنڈ میں عوام کی صحت وتندرستی کی نگہداشت کے لئے دیسی طریقہ علاج کا محکمہ ”آیورویدک اینڈ یونانی سروسز“ بھی موجود ہے۔ آیورویدک اور یونانی سروسز کا محکمہ ملک کی بیشتر ریاستوں میں مشترکہ طور پر قائم ہے۔ محکمہ کے قیام، اس کی منصوبہ بندی اور قانون وضابطہ سازی کے وقت ہمارے حکمراں خود پوری طرح غیر جانبدار، غیر متعصب بھید بھاؤ اور امتیاز کے جذبہ سے پاک وصاف ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اسمبلیوں ور پارلیمنٹ میں اس سلسلہ میں جو ضابطے وقوانین پیش کئے جاتے ہیں ان میں خود کو بہت ہی ایماندار انصاف پسند اور اعتدال پسند ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس سوچ کا ایک بہت بڑا مظہر اتراکھنڈ کا محکمہ آیورویدک اینڈ یونانی سروسز بھی ہے لیکن عملی دنیا میں یہ حکمراں اور حکام کس قدر غیر جانبداری غیر متعصب بھید بھاؤ اور امتیاز کے جذبہ سے پاک وصاف ہوتے ہیں ایمانداری، انصاف پسندی اور اعتدال پسندی کا کس قدر عملی مظاہرہ کرتے ہیں اس کا مشاہدہ ۷ر فروری کے اخبارات میں شائع شدہ نمبر ۱۵۳۱۱/ جی۔ ۱۹۵/ ۰۹-۲۰۰۸ این آر ایچ ایم کی روشنی میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ آفس آیورویدک اینڈ یونانی سروسز اتراکھنڈ دہرہ دون کی طرف سے انگلش روزنامہ انڈین ایکسپریس میں ہندی زبان میں شائع شدہ اشتہار پیش نظر ہے جس میں ریاست اتراکھنڈ میں آیورویدک اینڈ یونانی محکمہ کے تحت آیورویدک معالجوں کو قومی دیہی صحت مشن (این آر ایچ ایم) کے تحت ریاست اتراکھنڈ میں واقع کمیونٹی ہیلتھ سنٹروں اور پرائمری صحت مراکز میں میڈیکل یونٹ کے قیام کی غرض سے ویدوں کی بھرتی کے لئے اعلان کیا گیا ہے۔

ملک بھر کی دوسری ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی طرح اتراکھنڈ میں بھی دیسی طریقہائے علاج کا محکمہ قائم ہے۔ جس کا نام ”آیورویدک اینڈ یونانی سروسز“ ہے لیکن عملاً کم وبیش ہر جگہ یہ محکمہ صرف ”آیورویدک سروسز“ ہی نظر آتا ہے۔ یونانی لفظ محکمہ کے نام میں شامل ہونے کے باوجود صرف اس وجہ سے کہ اس فن کے یونان میں ایجاد کے بعد مسلمانوں نے فروغ دیا، طب یونانی کی کتابوں کا یونانی سے اولاً عربی زبان اور پھر فارسی اور اُردو میں ترجمہ کیا، اس میدان میں نئی نئی تحقیقات کیں اور نئی نئی کتابیں وتصنیفات وتالیفات کا ذخیرہ تیار کیا۔ اس کو ترقی فروغ اور اشاعت کی بلندیوں اور عروج پر پہنچایا یہاں تک کہ بہت سے ملکوں میں اس طریق علاج کو طب یونانی کی بجائے طب اسلامی کہا جانے لگا۔ بہرحال ہر جگہ اس کی شناخت خاص طور سے مسلمانوں کی نسبت سے ہونے لگی۔ جو فسطائی طاقتوں کے لئے اُردو زبان کی طرح ناقابل برداشت ہے اس لئے عملاً ہر جگہ اس کے ساتھ نہ صرف امتیاز اور تعصب سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اس کو مٹاڈالنے کی منصوبہ بندیاں اور تدابیر کی جاتی ہیں۔

چنانچہ محولہ بالا اشتہار میں بھی صرف آیورویدک معالجوں ویدوں کی بھرتی کا ذکر کیا گیا ہے قومی دیہی صحت مشن کے تحت کمیونٹی ہیلتھ سنٹروں اور پرائمری صحت مراکز میں آیورویدک یونٹ کی بات کہی گئی ہے۔ جب آئین میں سب کو مساوی حقوق ودرجہ کی گارنٹی دی گئی ہے۔ قانون میں آیورویدک طریق علاج کے ساتھ ساتھ یونانی طریقہ علاج کو بھی

باقی صفحہ ۶ پر

پوری دُنیا پر اقتدار کا خطرناک صہیونی منصوبہ

محمد انیس الرحمان

سلامتی کونسل کی جانب سے غزہ پر اسرائیلی دہشت گردی کے خلاف قرارداد کو ایک مرتبہ پھر مسترد کردیا گیا ہے۔ لیبیا کی جانب سے پیش کی جانے والی اس قرارداد کو اسرائیلی دہشت گردی میں شامل امریکہ نے یکطرفہ قرار دیا تھا۔ جی ہاں! یہ وہی سلامتی کونسل ہے جہاں زرداری انتظامیہ کی ''مدد'' سے پاکستان کے ایک رفاہی ادارے جماعت الدعوۃ پر دہشت گردی کا الزام عائد کرکے پابندی لگائی گئی اور اس پر فوراً عملدرآمد بھی کردیا گیا۔ اقوام متحدہ اسرائیل کو فلسطینیوں کے معاملات میں پُرامن رہنے کی تلقین کرتی ہے مگر اسرائیل کی دہشت گردی امریکہ اور یورپ کی مدد سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسرائیل کی حالیہ دہشت گردی کے موقع پر عرب لیگ کے نام سے قائم تنظیم نے دوحہ میں اجلاس بلایا اور جیسا کہ ماضی میں اس ''غیر مؤثر'' تنظیم نے کبھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کیا لہٰذا اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا بلکہ اس سلسلے میں لیبیا کے رہنما کرنل معمر قذافی نے طرابلس میں ہونے والے شمالی افریقہ کے عرب ممالک کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا: ''ہمیں دوحہ میں ہونے والے عرب لیگ کے اجلاس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اس اجلاس سے حاصل کیا ہوگا؟ عربوں کے درمیان پہلے سے موجود مشترکہ دفاعی معاہدے کو ازسرنو فعال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مشترکہ دشمن کا مل کر مقابلہ کیا جاسکے''۔ لیبیا کے رہنما معمر قذافی کا بیان اپنی جگہ خاصا اہم ہے لیکن صورتحال یہ ہے کہ غزہ پر موجود اسرائیلی دہشت گردی میں جتنا کردار اسرائیل کا ہے اتنا ہی کردار الفتح، اردن اور مصر کا بھی ہے۔ عنقریب دنیا کو اس بات کا علم ہوگا کہ مصری حسنی مبارک انتظامیہ نے اسرائیل کو حماس کی قیادت کے خلاف اہم معلومات فراہم کی تھیں۔ اردن کی سرکاری انٹیلجنس ایجنسی نے امریکہ نواز اردنی شاہ عبداللہ کے حکم پر اسرائیل کو حماس کے اہم ٹھکانوں کی نشاندہی کی اور فلسطینی صفوں میں موجود سب سے بڑے صہیونی، الفتح کے لیڈر محمود عباس نے اسرائیل کو اس جنگ کے لئے قائل کیا تاکہ ان کا اقتدار مغربی کنارے سے نکل کر غزہ تک وسیع ہوسکے۔ غزہ پر حملے اسرائیل کی انتخابی ضرورت بھی تھا، اس لئے اس حملے کی تیاری بہت پہلے شروع کی گئی تھی تاکہ اسرائیلی عوام کو ڈرا کر صہیونی انتہا پسند ووٹ حاصل کرسکیں۔ اسرائیل کی خفیہ ایجنسی ''موساد'' غزہ میں اس ساری دہشت گردی کی ذمہ دار ہے۔ غزہ کی موجودہ تشویشناک صورتحال کے تناظر میں ہم ان عوامل کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے جو اس وقت نہ صرف اسرائیل بلکہ واشنگٹن اور لندن کے علاوہ دنیا کے بااثر اور طاقتور ترین اداروں پر چھائے ہوئے ہیں۔ کیا اسرائیل میں موجود ارباب اختیار واقعی بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں؟ اگر یہ بنی اسرائیل نہیں تو کون سی وحشی قوم بنی اسرائیل کی شناخت چھین کر دنیا کے وسائل پر قابض ہوچکی ہے؟ اسرائیل میں شائع ہونے والے ''انسائیکلو پیڈیا آف جیوش'' میں یہ کیوں لکھا گیا کہ اسرائیل میں بسنے والے اسی فیصد یہودی یعقوبؑ اور یوسفؑ کی اولاد نہیں بلکہ چنگیز اور ہلاکو کی اولادیں ہیں''؟ جبکہ بنی اسرائیل تبلیغی قوم بھی نہیں تھی اور ان سے منسوب یہودی مذہب اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا بلکہ ہر اسرائیلی کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسرائیلی ماں کے بطن سے جنم لے۔ درحقیقت یہ موضوع اس قدر دقیق اور تفصیل طلب ہے کہ اس کے لئے کئی مجلدات پر مبنی کتاب درکار ہے۔ لیکن ہم انحصار سے اس موضوع کے حوالے سے بات کریں گے۔

سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشیں رکھنا ہوگا کہ بنی اسرائیل زیادہ تر سیاہ فام یا سخت گندمی رنگ کے تھے۔ جس قسم کے صہیونی اس وقت امریکہ، یورپ یا اسرائیل میں نظر آتے ہیں ان کی جلد اور نسل اصل بنی اسرائیل سے مختلف ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ ۷۲۲ ق م میں اسیریوں کے بادشاہ شلمانیسر پنجم نے اسرائیلیوں کی شمالی ریاست پر حملہ کرکے اسے تباہی سے دوچار کردیا تھا۔ اس دور میں بنی اسرائیل کی بڑی تعداد خراسان کے علاقے کی جانب ہانک دی گئی تھی۔ ۵۸۸ ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کو مصریوں کے لئے حمایت کرنے کی وجہ سے حملہ کرکے تباہی سے دوچار کردیا تھا اور اس کے بعد انہیں اسیر کرکے بابل کی جانب ہانک دیا گیا تھا۔ ستر برس بعد ایرانی بادشاہ کیخسرو جسے قرآن کریم میں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا گیا ہے، نے انہیں بابل کی قید سے نجات دلاکر دوبارہ یروشلم میں بسنے کی اجازت دی۔ لیکن بنی اسرائیل کی نافرمانیوں نے ایک مرتبہ پھر خارجی حملہ آوروں کی صورت میں ان پر عذاب الٰہی مسلط کروا دیا۔ اس مرتبہ رومیوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنایا۔ ۷۰-۶۶ء میں بنی اسرائیل نے رومیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کی پاداش میں رومیوں نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہیکل سلیمانی کو ایک مرتبہ پھر زمین بوس کردیا گیا۔ چالیس برس بعد ان کی جانب سے پھر بغاوت کی کوشش کی گئی تو رومیوں نے انہیں یورپ، شمالی افریقہ اور مشرق وسطی میں اپنے مقبوضات میں منتشر کردیا۔ اس طرح ان کی مذہبی مرکزیت ہیکل سے نکل کر ان کے مذہبی پیشواؤں یعنی ربیوں کے ہاتھ آگئی۔ اسی دوران بے شمار بنی اسرائیل غلام بنا کر فروخت کردیئے گئے۔ یہ تمام حالات انتہائی تفصیل طلب ہیں لیکن یہاں ہم انہیں انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔ ایک بات اور بھی ذہن میں رکھی جائے کہ تمام بنی اسرائیل یہودی نہیں ہیں بلکہ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک تھا جس کی اولاد خاصی تعداد میں پھیلی ہوئی تھی جس کی نسبت سے انہیں یہودی کہا جاتا ہے، حالانکہ یہود بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ایک لیکن افرادی قوت کے لحاظ سے بڑا قبیلہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق یہود قبیلے سے نہیں بلکہ آپؑ کا تعلق قبیلہ لیوی سے تھا۔ رومیوں کی جانب سے پھیلائی گئی تباہی کے بعد یہودی بری طرح منتشر ہوئے۔ بنی اسرائیل رومیوں کے حملے سے قبل دو مرتبہ تاریخ میں دنیا کی اس وقت کی دو اہم ترین طاقتوں کی غلامی میں رہے تھے۔ ان میں سب سے پہلے مصری آتے ہیں جو حیرت انگیز علوم میں مہارت رکھتے تھے، اس کے بعد انہیں بابل کی متمدن قوت کی غلامی دیکھنا پڑی۔ دوران اسیری بنی اسرائیل ان قوموں کے مابعد الطبیعاتی علوم جو شیطانیت سے مامور تھے، سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ رومیوں کی جانب سے منتشر ہونے کے بعد ان کی بڑی تعداد نے مصر اور زیریں مصری علاقوں کے علاوہ بابل کا بھی دوبارہ رخ کیا تھا تاکہ اس ''متمدن دنیا'' میں رہ کر دوبارہ اکٹھا ہونے کی کوئی صورت نکالی جاسکے۔ بابل میں ان یہودیوں نے انتہائی خاموشی کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کردی۔ دوسری جانب بنی اسرائیل کی بڑی تعداد افریقہ میں منتشر ہوئی تھی جنہیں طاقتور قوموں نے غلامی میں لے کر ان کی خرید و فروخت شروع کردی تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے اعمال بد کی وجہ سے جو ذلت اور مسکنت مسلط ہوئی تھی اس کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ سلسلہ اس حد تک دراز ہوا کہ اس قوم کا بڑا حصہ اپنی شناخت سے ہی نا آشنا ہوگیا تھا۔ اسی دوران بابل (موجودہ عراق) سے اوپر یعنی بحیرہ قزوین اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے میں خزاریوں نے حکومت قائم کرلی تھی۔

اب یہاں سے اس تاریخی کہانی کا دوسرا رخ شروع ہوتا ہے۔ خزاریوں کے بارے میں تاریخ میں انتہائی تفصیلی حالات سامنے آتے ہیں۔ ان کی سلطنت کو خزاریہ کہا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مشرقی یورپ کے ہن (Hun) قبائل اور میگوگ قبائل کی ناجائز اولادیں تھیں۔ میگوگ میکیار اور ہن قبائل ان علاقوں کو تاراج کرتے تھے اور یہاں بسنے والی بت پرست قوم کی عورتوں کے ساتھ زیادتی کرتے تھے جس سے پیدا ہونے والی نسل کو خزار کہا جانے لگا۔ یہ تاریخ کا تاریک دور کہلاتا تھا۔ اسی دور میں بابل میں آکر بسنے والے یہودیوں نے تجارت کی غرض سے بحیرہ اسود اور قزوین کے علاقوں تک اپنے اسفار کو دراز کرلیا تھا۔ بنیادی طور پر یہ علاقہ اس وقت کے اہم ترین عالمی تجارتی روٹ پر واقع تھا جو آگے جاکر شاہراہ ریشم سے مل جاتا تھا اس لئے یہاں کی تجارتی سرگرمیوں نے یہودیوں کو خاصا مالدار بنادیا تھا۔ بابل تک دوسری مرتبہ پہنچتے ہوئے انہیں رومیوں کی جانب سے برپا کی گئی سخت تباہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چونکہ تورات کا اصل نسخہ مفقود تھا اس لئے یہاں انھوں نے تورات کی تفسیر کے نام سے ایک اور تصنیف گھڑی جسے ''تلمود'' کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب چونکہ انتہائی نفرت کی حالت میں لکھی گئی تھی اس لئے اس میں انسانیت کی بھلائی کی بجائے انسانیت کی تباہی کے نسخے درج تھے۔ اس میں خاص طور پر عیسائیت کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ خزار کے علاقے کی بت پرست قوم جو ہن (Hun) قبائل کی ناجائز اولاد کہلاتی ہے، نے یہودیت کی جانب اپنے میلان کو ظاہر کیا جس کی کئی وجوہ تھیں۔ اگر وہ بت پرستی یا شیطان پرستی سے ہٹ کر اس وقت کی رائج تلمودی یہودیت کو اختیار کرتے تو اس میں سابقہ مذہب اور اس وقت کی یہودیت میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا مثلاً خزار قوم سونے کی بہت حریص تھی اور یہ صفت یہودی سرمایہ داروں میں بھی پائی جاتی تھی۔ خزاری قرض دے کر اس پر منافع حاصل کرنے کے شوقین تھے جبکہ یہودیوں میں سود پہلے سے ہی چلا آرہا تھا۔ مصر اور بابل کی تہذیبوں کی غلامی میں رہنے کی وجہ سے شیطانی عملیات خصوصاً سحر کی جانب یہودیوں کو خاص رغبت ہوچکی تھی جبکہ خزار کی بت پرست قوم میں یہ ''ٹیکنالوجی'' پہلے سے ہی موجود تھی۔ خزاریوں کو روسی اور منگول قوم نے بحیرہ اسود اور قزوین کے درمیانی علاقے میں خاصا سکیٹر دیا تھا جس کے بعد اس جنگجو قوم نے مشرقی یورپ پر حملہ کیا تھا اور تقریباً پندرہ چھوٹی چھوٹی زرخیز یورپی ریاستوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ خزاری قوم شیطان کی پوجا کے دوران بے حیائی سے جنسی فعل کو اپنی عبادت کا حصہ بناتی تھی، یہی وجہ ہے کہ موجودہ یورپ پر قابض ہونے کے بعد انھوں نے جنسی فلموں یعنی پورنوگرافی کو خاصا فروغ دیا تاکہ تمام دنیا میں بے حیائی پھیلائی جائے۔ ساتویں صدی عیسوی تک یہ قوم اسی لعنت میں مبتلا رہی۔ اس دوران مغرب سے بازنطینی عیسائی حکومت اور جنوب مغرب کی جانب سے مسلمان حکمرانوں نے ان پر دباؤ کی کیفیت رکھی ہوئی تھی۔ ساتویں صدی کے آخر میں اس قوم کے بادشاہ بولان نے عیسائیت اور اسلام کو مسترد کرتے ہوئے ''تلمودی مذہب'' اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اسے ریاست کا مذہب قرار دیا جاسکے اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ مدافعتی جنگ میں فکری سامان پیدا ہوسکے، کیونکہ ان کے شیطانی عقائد اس سے خاصا میل کھاتے تھے۔ (The Truth About Khazars)۔ اس طرح یہ سارا شیطانی مذہب یہودیت میں داخل ہوگیا اور رفتہ رفتہ اصل یہودی معدوم ہوگئے اور ان کی جگہ انھوں نے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہلوانا شروع کردیا حالانکہ یہ سامی النسل نہیں بلکہ آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کی تمام تر مادیت اور شیطانیت صرف یہودیت میں پناہ گزیں ہوسکتی تھی اس لئے انھوں نے نہ صرف اس تلمودی مذہب کو اختیار کیا بلکہ اصل بنی اسرائیل کے بچے کھچے دیگر افراد کی شناخت تک کو گم کرنے کی کوششیں شروع کردی۔ بادشاہ بولان اور اس کے چار ہزار سرداروں نے باقاعدہ ایک بڑی تقریب میں یہودیت اختیار کرنے کا اعلان کیا تھا اور اس مقصد کے لئے باقاعدہ بابل (عراق) سے یہودی ربی بلوائے گئے تھے...... اس کے ساتھ ہی رومیوں کے قہر سے فرار اختیار کرنے والے اور بابل میں پناہ گزیں یہودی مذہبی پیشواؤں کو خزار کی ریاست میں رہائش اختیار کرنے اور یہاں یہودی سائناگاگ (عبادت خانے) بنانے کی پیشکش بھی کی گئی۔ یوں فلسطین کے علاقے کے بعد دنیا کے نقشے پر پہلی یہودی ریاست کا قیام قزوین اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے میں عمل میں آیا۔ مسلمانوں کے اولین مؤرخ امام المورخین علامہ مسعودیؒ نے اپنی کتاب ''مروج الذہب'' میں اس ریاست کو ''خزاریہ'' کے نام سے رقم کیا ہے۔ قدیم عربی ادب میں بحیرہ اسود کو ''بحیرہ خزاریہ'' کہا جاتا تھا، اسی طرح فارسی لٹریچر میں اسے ''دریائے خزاریہ'' کہا گیا ہے۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا کی جلد چہارم کے پہلے پانچ صفحات پر اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

اسی طرح خزاری نسل سے ہی تعلق رکھنے والے صہیونی پروفیسر ایچ گریٹس نے بھی اپنی کتاب History of Jews میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

تیرہویں صدی عیسوی کے بعد روسی ریاست نے مزید پھیلنا شروع کیا تو خزار قوم جواب یہودیت اختیار کرچکی تھی، مشرقی یورپ کی جانب سرکنا شروع ہوگئی جہاں ان کا سب سے پہلا مرکز پولینڈ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے پولینڈ میں اثر و رسوخ بڑھانے کے بعد جرمنی کی جانب رخ کیا۔ یہیں پر خزاری صہیونی اشمیل مائیر کا بن نے فرینکفرٹ میں قرضہ دینے کی دکان کھولی، بعد میں یہی خاندان روتھ شائیلڈ کے نام سے مشہور ہوا جنھوں نے یورپ میں بینکوں کی ابتداء کی۔ یہ بینک دراصل تاریخ کے شیطانی معبدوں کی بنیاد پر بنائے گئے تھے کیونکہ ان معبدوں میں ہی سونے کی شکل میں دولت جمع کی جاتی تھی۔ جدید تاریخ میں ان صہیونیوں نے بینکوں کی شکل میں ان معبدوں کو دوبارہ زندہ کردیا۔ واٹرلو کی جنگ پر سارا سرمایہ ان صہیونیوں کی جانب سے فراہم کیا گیا تھا۔ نپولین کی شکست کے بعد بھی تاج برطانیہ کی گردن سے ان صہیونیوں کا قرضہ نہیں اترا تھا، اس کے جواب میں انہیں ''بینک آف انگلینڈ'' بنانے کی اجازت ملی اور اس طرح برطانیہ کے ساتھ ساتھ تمام یورپ ان صہیونی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنتا چلا گیا۔ اس کے بعد صہیونی بینکروں نے امریکہ کی جانب پیش قدمی کی کیونکہ یورپ میں وہ اپنی خزاری شناخت کے ساتھ کوئی ریاست تشکیل نہیں دے سکتے تھے۔ اس کام کے لئے انہیں ایک ایسی سرزمین درکار تھی جہاں پر لوگ باہر سے آکر بس رہے ہوں اور جہاں پر بیٹھ کر دنیا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کا منصوبہ شروع کیا جاسکے۔ اسی لئے انھوں نے یہاں سے امریکہ منتقل ہونا شروع کیا اور اپنی قائم کردہ فری میسن اور دیگر شیطانی تنظیموں کے ذریعے امریکی آئین کو اپنے مطابق منظور کروایا۔ ●●

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ظلم کی عمر کوتاہ ہوتی ہے

عارف عزیز، بھوپال

ملک کے اکثریتی طبقے کی متعصب جماعتیں اس ملک کو کہاں لے جانا اور اقلیتوں کا کیا حال کرنا چاہتی ہیں یہ اب واضح ہونے لگا ہے کہ وہ کبھی اکثریت کی تانا شاہی کی وکالت کرتی ہیں تو کبھی ملک کی تمام اقلیتوں کے لئے مشترکہ قوانین بنانے پر زور دیتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ سکھوں سے لے کر مسلمانوں تک اور بودھوں سے عیسائیوں تک سبھی میں بے چینی کا ماحول پیدا ہورہا ہے۔ خاص طور پر جب اقلیتیں جارحانہ ہندو قوم پرستی کے حامیوں کی یہ لن ترانی سنتی ہیں کہ ہندوستان میں صرف ایک تہذیب یعنی ''ہندو سنسکرتی'' اور واحد قوم یعنی ہندو قومیت آباد ہے یا ان کے کانوں میں یہ الفاظ گونجتے ہیں کہ ''کسی بھی گروہ کا طریقۂ عبادت الگ ہوسکتا ہے لیکن بنیادی طور پر سب ہندو ہیں'' تو انہیں وحشت ہونے لگتی ہے کیونکہ اقلیتوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم سب ایک قوم ضرور ہیں مگر یہ قوم ہندو نہیں ہندوستانی ہے جو فرقہ پرست عناصر کو منظور نہیں، ان کے خیال میں جو اقلیت خود کو ہندو نہ سمجھے اسے اس ملک سے نکال باہر کیا جائے اور ہندوستان کو ہندو اسٹیٹ بنایا جائے کیونکہ یہاں صرف ایک قوم ہندو آباد ہے۔ اس تھیوری کے مطابق جس دن ہندوستان کی اقلیتیں اپنے آپ کو ہندو گرداننے لگیں گی ان کے ساتھ فرقہ پرستوں کا جھگڑا ختم ہوجائے گا۔ اردو زبان کے ساتھ تنازعہ مٹانے کے لئے بھی یہی شرط رکھی جاتی ہے کہ فارسی رسم الخط چھوڑ کر دیوناگری لپی قبول کرلو تو اردو بھاشا کے لئے جگہ نکل سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ اقلیتوں سے مذکورہ خواہشات یا مطالبات کرنا اکثریت کے ہاتھوں اقلیتوں کے استحصال سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے بھی آگے فاشزم کا ایک نمونہ ہے جس کا مظاہرہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ممکن نہیں جہاں بآسانی اسپین، اسرائیل، برما، جنوبی افریقہ اور فجی کی تاریخ نہیں دہرائی جاسکتی کہ وہاں اول اقلیتوں کو بزور شمشیر ملک سے بے دخل کردیا گیا اور جو باقی رہ گئیں ان کو اپنی زبان اور تہذیب سے محروم کرکے رکھ دیا گیا۔ اس کا ایک آسان طریقہ فرقہ پرستوں نے یہ تلاش کرلیا ہے کہ وقت بے وقت پاکستان اور بنگلہ دیش کے دراندازوں کو ملک سے نکالنے کا مطالبہ کیا جائے اور قوم کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ کام نہیں ہوا تو مادر وطن کی سالمیت اور استحکام کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ اس کی ایک مثال پروفیسر بلراج مدھوک کا یہ دعویٰ ہے کہ دو کروڑ سے زیادہ درانداز ہندوستان میں موجود ہیں جنہیں حکومت جلد سے جلد نکال کر ملک سے باہر کردے، پہلے یہی الزام بعض سرحدی ریاستوں مثلاً آسام، مغربی بنگال اور بہار کے بارے میں لگایا جاتا تھا لیکن اب اس کو پورے ہندوستان پر منطبق کیا جارہا ہے تاکہ ہر ریاست کی اقلیتیں خاص طور پر مسلم اقلیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگے۔ ممبئی میں پہلے اور دہلی میں اس کے بعد بنگلہ دیش کے دراندازوں کو باہر نکالنے کی مہم اگر کچھ ثابت کرتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مسلم اقلیت کو ملک کے دوسرے گروہوں کی نظر میں مشکوک بنانے اور انہیں جمہوری و انسانی حقوق سے محروم نیز برادران وطن کے دل میں ان کی ہمدردی کو ختم کرنے کے لئے منصوبہ بند طریقے سے یہ کام کیا جارہا ہے۔ لیکن اکثریت اور اس کی جارح تنظیموں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اقلیتیں اکثریت کی یلغار سے کبھی ختم نہیں ہوتیں بلکہ زندہ و پائندہ رہتی ہیں، تاریخ کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ظالم خواہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اس کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔

سنگھ پریوار اپنے تربیتی کیمپوں میں نازی جرمنی کی جس مثال کو اکثر و بیشتر اپنے سویم سیوکوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور مذہب و نسل کی بنیاد پر وہاں ہٹلر نے یہودیوں کا جو حال کیا اس سے ہندو اکثریت کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف صف آراء کرنے کا کام انجام دے رہا ہے اسی میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ ہٹلر کی جملہ کارروائی یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں ناکام رہی ہیں۔ اس کے برعکس خود ہٹلر اپنے سارے فاشسٹ فلسفہ کے ساتھ ماضی کی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے، یہی حال یقیناً ان لوگوں کا بھی ہونے والا ہے جو آج مذہب و نسل کے نام پر اقلیتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ملک کے وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اگر اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے اپنے اعلانات میں واقعی مخلص ہیں تو انہیں مذہب، نسل اور زبان کے نام پر فرقہ پرستی کے ہر مظاہرے پر اور اقلیت دشمنی کے ہر طریقے پر پابندی عائد کرنی چاہئے اور اس بات کا لحاظ بھی کہ کسی ہندوستانی مسلمان کو بنگلہ دیش یا دوسرے کسی ملک کا درانداز قرار دے کر یہاں سے نکالا نہ جاسکے بلکہ اس کو ہر طرح سے جوابدہی اور اپنی مدافعت میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا موقع ملنا چاہئے۔ یہی حق و انصاف کا تقاضا ہے۔ ●●

آخری سفر کی تیاری

فوزیہ بنت محمود
الخبر، سعودی عربیہ

انسان اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ وہ دنیا میں آیا ہے تو اسے واپس بھی جانا ہے۔ توحید و آخرت کے منکر تو دنیا میں بہت گزرے ہیں مگر موت سے انکار آج تک کسی نے نہیں کیا۔ زندگی انسان کو ایک ہی دفعہ ملتی ہے۔ ہماری آخرت کی کامیابی اسی دنیا کے اعمال پر منحصر ہے۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ جس طرح زندہ انسان کی عزت اور احترام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں مرنے کے بعد بھی مسلمان کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف بھی بے حد عزت اور احترام کے ساتھ لے جایا جاتا ہے اور اس بات کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہئے کہ میت کو کس طرح غسل دیا جائے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو غسل اور کفن پہنانے والے کے لئے بہترین اجر کی امید دلائی ہے۔ کتاب المحتضرین کی ایک روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وفات کے وقت بندے کو اس کے نیک اعمال یاد دلائیں تاکہ وہ اپنے رب کے متعلق حسن ظن رکھے اور یہ کہ اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

قریب الوفات کو مندرجہ ذیل باتوں کی تلقین کی جائے:

جو کوئی پاس بیٹھا ہو وہ مرنے والے کو کلمہ کی تلقین کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں سے جو مر رہا ہو اسے لا الٰہ الا اللہ'' کی تلقین کیا کرو۔ جس نے مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ کہا بالآخر وہ جنت میں چلا جائے گا۔ خواہ اس سے پہلے کتنی ہی سزا ملے''۔ (صحیح ابن حبان) ایک دوسری روایت میں ہے: ''جب تم کسی مریض یا مرنے والے کے پاس ہو تو صرف اچھی بات کہو کیونکہ فرشتے تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں''۔ (صحیح مسلم)

موت کے بعد کے ضروری کام:

سب سے پہلے اس کی آنکھیں بند کردیں اور اس کے لئے دعا کریں۔ اس کے سارے جسم کو کپڑے سے ڈھانک دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں: ''جب آپ کی روح اطہر پرواز کرگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا''۔ جب موت واقع ہوجائے تو تجہیز و تکفین میں جلدی کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنازوں کے بارے میں جلدی کیا کرو''۔ (متفق علیہ) جس علاقہ میں مرا ہو وہیں دفن کیا جائے۔ کسی دوسری جگہ نہ لے جایا جائے۔ امام نوویؒ نے الاذکار میں لکھا ہے کہ اگر مرنے والا نقل جسد کی وصیت کرے تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے۔ (سنن البیہقی، موطا امام مالک) میت کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا اور تین دن تک فطری انداز میں رونے اور غم کی بھی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری) اعزہ و اقارب کو چاہئے کہ جائز طریقے سے وفات کی اطلاع کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر نوحہ کرنے سے نیز گریبان چاک کرنے اور منہ پیٹنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: ''ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں''۔ (صحیح بخاری)

غسل میت:

جب کسی انسان کی موت واقع ہوجائے تو چند افراد کو اس کے غسل کا فی الفور انتظام کرنا چاہئے۔ خصوصاً ہمارے ملک میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ میت کو غسل صرف پیشہ ور خواتین و مرد ہی دیں گے کوئی اور نہیں دے سکتا۔ قریبی رشتے دار رونے اور سوگ منانے میں لگے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ حالانکہ میت کو غسل قریبی رشتے داروں کو ہی دینا چاہئے۔ ایک اور غلط فہمی جو ہمارے یہاں پائی جاتی ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اور بیوی کے انتقال کے بعد شوہر ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہوجاتے ہیں، یہ بات بالکل غلط ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مرد اپنی بیوی کی میت کو اور بیوی اپنے شوہر کی میت کو غسل دے سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اپنی زوجہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی زوجہ حضرت اسماءؓ نے غسل دیا تھا۔ (الموطا)

غسل کروانے والے کیلئے اجر کی خوشخبری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''میت کو وہی شخص غسل دے جو اس کا سب سے قریبی ہو اور علم (دین) رکھتا ہو، اگر قریبی عزیز عالم نہ ہو تو پھر جسے تم عالم اور پرہیزگار سمجھو، وہ غسل دے''۔ (خواہ وہ قرابت دار نہ بھی ہو) (مسند احمد)۔ غسل دینے والوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور اپنے گناہ کو بخشوانے کی غرض سے میت کو غسل دیں اور غسل دینے والا قریبی رشتہ دار ہو۔ میت میں کوئی عیب یا ناپسندیدہ بات نظر آئے تو پردہ پوشی کرے اور راز رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کو غسل دینے میں حق امانت ادا کیا اور اس کا راز نہ کھولا، وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہوا جیسے آج ہی پیدا ہوا ہے''۔ (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''جس نے کسی مسلمان کو غسل دیا اور اس کے عیب کو چھپالیا، اللہ تعالیٰ اسے چالیس مرتبہ معاف فرمادیتا ہے۔ جس نے قبر کھود کر دفن کیا، اسے اتنا اجر ہے جیسے کسی کو تا قیامت رہائش فراہم کردی اور جس نے کفن پہنایا اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت جنت کے عمدہ ریشمی کپڑے اور کمخواب سے آراستہ فرمائے گا''۔ (مستدرک حاکم)

غسل کے لئے ضروری سامان:

(۱) بیری کے پتے، صابن یا شیمپو (۲) روئی / کاٹن (۳) کافور / عطر (۴) کپڑے کے دستانے / کپڑے کی چھوٹی تھیلیاں (۵) جسم خشک کرنے کے لئے کوئی صاف کپڑا (۶) چادریں جو میت کے پردے کے لئے استعمال میں آئیں گی۔

غسل کا پانی:

☆غسل کا پانی پاک اور صاف ہونا ضروری ہے، پانی نیم گرم ہو تھوڑے پانی میں بیری کے پتوں کو جوش دلا کر یہ پانی غسل کے پانی میں ملا دیا جائے۔ (بیری کے پتے اگر آسانی سے نہ مل سکیں تو کوئی بھی خوشبو استعمال کی جاسکتی ہے) (بحوالہ صحیح بخاری) ایک بالٹی میں کافور ملا کر الگ رکھ لیں، یہ میت پر بہایا جانے والا آخری پانی ہوگا۔ میت کو غسل طاق اعداد میں دیا جائے گا۔

☆غسل دینے والے کے پاس صرف وہی افراد ہونے چاہئیں جو اس کو مدد دینے کے لئے پہلے سے موجود تھے، کسی دوسرے کی موجودگی مکروہ ہے۔ (ہمارے ملکوں میں اکثر یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ غسل دینے والی خواتین جب میت کے غسل سے فارغ ہوجاتی ہیں تو آخر میں قریبی رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے کہ آکر میت پر ایک ایک مگ پانی بہائیں اس کی کوئی دلیل سنت سے نہیں ملتی)۔

☆میت کے کپڑے اگر آسانی سے نہ اتر سکیں تو قینچی کی مدد سے کاٹ لئے جائیں، کپڑے اتارتے وقت میت پر گہرے رنگ کی چادر ہونی چاہئے تاکہ گیلا ہونے پر بھی پردہ رہے۔ تمام غسل چادر کے اندر سے ہاتھ ڈال کر دیا جائے گا تاکہ میت کے ستر پر نظر نہ پڑے۔ (سنن ابی داؤد)

☆نہلانے والے سب سے پہلے میت کا سر اٹھا کر اسے آہستگی سے بیٹھا ہونے کی پوزیشن میں کردیں، پھر اس کے پیٹ کو اطراف سے نرمی سے دبایا جائے تاکہ جو کچھ نکلنے کے قریب ہو وہ نکل جائے۔ اس موقع پر کثرت سے پانی بہایا جائے تاکہ جو کچھ نکلا ہو پانی اسے بہا کرلے جائے۔

☆غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑے کی تھیلی یا دستانہ پہن کر میت کی طہارت (استنجا) کرے اور جو بھی نجاست وغیرہ رہ گئی ہو اسے اچھی طرح میت کے جسم پر سے صاف کردے۔ بعد میں یہ دستانہ اتار دیا جائے۔

☆میت اگر خاتون ہو تو سر کے بندھے ہوئے بال کھول دیں، اب دوسرا صاف دستانہ پہن لیں اور نہلانے والا میت کی طرف سے

باقی صفحہ ۸ پر

دعوت

۱۳ رفروری ۲۰۰۹ء

مجرم قانون کی گرفت میں

گجرات میں ۲۰۰۲ء کی مسلم مخالف دہشت گردی کے سلسلے میں بنجارہ وغیرہ کے بعد اب سپریم کورٹ کی طرف سے مقرر اسپیشل تفتیشی ٹیم (ایس آئی ٹی) نے واساد کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ڈی ایس پی) کے جی ایردا کو گرفتار کرلیا ہے۔ ڈی ایس پی کے اوپر ڈیوٹی فرائض کی ادائیگی میں لاپروائی اور غفلت سے کام لینے اور شواہد و ثبوت مٹانے کے الزامات ہیں۔ سپریم کورٹ کی طرف سے مقرر ٹیم کے ذریعے یہ پہلے پولیس افسر کی گرفتاری ہے۔ فروری ۲۰۰۲ء کی مسلم مخالف ہندتووادی دہشت گردی کے دوران ایردا، میگھانی نگر پولیس اسٹیشن میں بحیثیت انسپکٹر تعینات تھے۔ انہیں گلبرگ سوسائٹی پر ہندتووادیوں کے حملے کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا ہے جس میں ایک سابق کانگریسی ممبر پارلیمنٹ احسان جعفری سمیت ۳۹ افراد کو زندہ جلا کر مار ڈالا گیا تھا۔ مسلم قتل عام کے سلسلے میں ایس آئی ٹی، نے ایردا سمیت چھ پولیس افسروں سے تفتیش کی تھی۔ ایردا کی گرفتاری کی تصدیق کرتے ہوئے ایس آئی ٹی کے سربراہ آر کے راگھون نے کہا ہے: ”ہم نے ان کو گرفتار کرنے سے پہلے ان کے خلاف کافی شواہد اور ثبوت جمع کر لئے تھے۔ ایس آئی ٹی کے سربراہ نے مزید پولیس والوں کی متوقع گرفتاری کے بارے میں کہا: ”کسی بھی بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کئی اور افراد کو جلد ہی گرفتار کیا جائے گا“۔ یاد رہے کہ گلبرگ سوسائٹی میں جو ایف آئی آر درج کی گئی تھی ایردا اس میں خود شکایت کنندہ تھے۔ پولیس اسٹیشن انچارج ہوتے ہوئے انھوں نے ایف آئی آر تو درج کی لیکن اپنے علاقے میں اتنے بڑے قتل عام کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ علاقے کے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ ہندتووادی دہشت گردوں کی بھیڑ کو گلبرگ سوسائٹی کالونی پر حملے کے لئے بھڑکا رہے تھے۔ یہ امر بہرحال یقینی ہے کہ انھوں نے بھیڑ کی طرف سے کئی گھنٹوں تک سوسائٹی کی گھیرا بندی، دھمکیوں اور بھاگ دوڑ کے دوران اس بھیڑ کو منتشر کرنے اور سوسائٹی کے اندر رہنے والے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ خود ہندتووادی طاقتوں کا ایک حصہ تھے۔

ریاستی وزیر اعلیٰ نریندر مودی، دیگر وزراء، بھارتیہ جنتا پارٹی، آر ایس ایس پریوار بالخصوص وشو ہندو پریشد کے لیڈروں کے ساتھ انسانیت کشی کے ’اہنساوادی‘ کارنامے کی انجام دہی میں سرگرم عمل تھے کہ ریاست کے آٹھ فیصد مسلمانوں کا صفایا کرنے کے بلند و بالا عزائم ان کے دل و دماغ میں سموئے ہوئے تھے۔ حکومت اور سرکاری مشینری کی طاقت ان کی پشت پر تھی، انہیں اپنے فرض و ڈیوٹی کا کوئی خیال نہیں تھا۔ قانون کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ ان کے اندر انسانیت و مانوتا کی کوئی رمق نہیں تھی۔ جانوروں، چیونٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں تک کو مارنے کے نام پر کانوں پر ہاتھ رکھنے والے انسانوں کا قتل عام کر رہے تھے اور اس کارنامے کو اپنے دھرم و سنسکرتی اور ہندتووادکی سیوا قرار دے کر خوش ہو رہے تھے۔ وہ ہندو دھرم میں آستھا اور نشٹھا کی بات کرتے ہیں، مرنے کے بعد پرلے، سورگ، نرک اور پنر جنم کی بات کرتے ہیں، لیکن انہیں ایشور اور بھگوان کے سامنے جوابدہی کا خیال نہیں تھا وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے، اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ وہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے کیونکہ قانون کے نفاذ کا اختیار بحیثیت وردی پوش انہیں حاصل تھا۔ یقیناً انہیں یہ بھی اطمینان ہوگا کہ اگر کہیں قانون راستے میں کھڑا بھی ہوگیا تو ریاستی حکومت، عدل و انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر حق و انصاف کا خون کرنے اور ایک ہی ورڈنگ کے ساتھ چالیس چالیس افراد کو بری کردینے والے جج اور ہندتووادی طاقتیں ان کو بچانے کے لئے کھڑی ہوجائیں گی۔ یوں بھی اب سے پہلے تقریباً پون صدی سے مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ جاری تھا اور کبھی کسی قاتلان مسلمانان، ہندتووادی فسادیوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔ ہر فساد کے بعد انکوائری کمیشنوں اور کمیٹیوں کی تشکیل ہوتی تھی لیکن کبھی رپورٹ سامنے نہیں آتی تھی اور رپورٹ آتی بھی تو اس پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ الٹا مسلمانوں ہی کی تلاشیاں ہوتی تھیں، انہی پر لاٹھی چارج ہوتا تھا، انہی پر گولیاں چلائی جاتی تھیں، انہی کی گرفتاریاں ہوتی تھیں، ان کے خلاف مقدمات قائم ہوتے تھے۔ مسلمان رو دھو کر بیٹھ جاتے تھے اور رو دھو کر بیٹھ جانے کے عادی ہوگئے تھے، ان کے اندر حوصلے اور ہمت کا فقدان تھا، ان کے سامنے کوئی چارہ گر نہیں تھا۔ پھر سیکولرزم اور آئین و قانون کی پابندی اور ان سے وفاداری کا حلف لے کر سب کو پامال کرنے میں ہندتووادیوں کو کسی کا ڈر کیوں ہوتا؟ وہ نڈر اور بے خوف تھے۔ کے جی ایردا ایس آئی ٹی کی تفتیش میں اے ڈی جی پی ایم کے ٹنڈن، اس وقت کے ڈی سی پی، پی بی گونڈلیا، ڈپٹی ایس پی کے کے میسور والا اور وی ایس گوہل اور اس وقت کے اسسٹنٹ کمشنر ایم ٹی رانا کے ساتھ آئے ہیں۔ اب نتیجہ کیا نکلے گا دنیا انتظار میں ہے۔

قانون کا پابند بنانے سے پولیس انکاؤنٹر میں کمی آسکتی ہے

آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے انکاؤنٹر کے سلسلے میں جو فیصلہ سنایا وہ پہلے سے ہی قومی انسانی حقوق کمیشن کی رہنما ہدایات کی صورت میں موجود ہے

ابھی ۷ رفروری کو آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے پولیس انکاؤنٹرس پر ایک بہت اہم اور دوررس فیصلہ سنایا۔ عوامی تنظیموں اور حالیہ عرصے میں پولیس انکاؤنٹرس میں مارے گئے لوگوں کے رشتے داروں کی جانب سے داخل مفاد عامہ کی عرضیوں پر اپنا تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے کورٹ نے کہا کہ انکاؤنٹرس میں ملوث عہدیداروں کے خلاف بھی مقامی پولیس اسٹیشنوں میں آئی پی سی کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ درج کیا جانا چاہئے اور قصوروار ثابت ہونے پر ان کے خلاف بھی سخت کارروائی کی جانی چاہئے۔ عدالت نے صاف صاف کہا کہ مکہ مسجد، ورنگل اور مودی کنڈہ فائرنگ کے علاوہ انکاؤنٹرس کے دیگر واقعات میں بھی دفعہ ۳۰۲ کے تحت پولیس کے خلاف مقدمات درج کئے جائیں اور پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں کو حکم دیا کہ انکاؤنٹرس میں ملوث عہدیداروں کے نام منظر عام پر لائے جائیں۔

مذکورہ فیصلے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کورٹ نے معاملے کو کافی سنجیدگی سے لیتے ہوئے اس کی سماعت کے لئے پانچ رکنی بنچ تشکیل دی اور اس بنچ نے یہ فیصلہ سنایا ہے جس میں پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں سے لے کر ان تمام افسران کے رول کی جانچ کا حکم دیا گیا ہے جنھوں نے ماتحت پولیس اہلکاروں کو انکاؤنٹرس کی ہدایات دی تھیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ہائی کورٹ کے اس فیصلے سے پولیس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی ہے اور وہ کافی پریشان ہے، خصوصاً اس بات سے کہ عدالت نے اس کی اس گھسی پٹی ہوئی دلیل کو مسترد کردیا کہ وہ اپنے دفاع کے لئے انکاؤنٹرس کرتی ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں صاف صاف کہہ دیا کہ آئی پی سی کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت انکاؤنٹرس میں ملوث پولیس افسران کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے بعد اس کا فیصلہ عدالت میں کیا جائے گا کہ انکاؤنٹر فرضی تھا یا صحیح۔ بتایا جاتا ہے کہ ریاستی پولیس پر ضرب پڑنے والے عدالتی فیصلے سے ریاستی حکومت بھی پریشان ہے۔ چونکہ فیصلہ عدالت کا ہے اور اپنی پولیس کو بچانے کے راستے کافی محدود ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ ریاستی حکومت ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاسکتی ہے۔

ویسے آندھرا پردیش ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ ملک کے لئے نیا نہیں ہے۔ اس بابت قومی انسانی حقوق کمیشن کی رہنما ہدایات پہلے ہی سے موجود ہیں جن میں انکاؤنٹر کے چوبیس گھنٹے کے اندر پولیس کو کمیشن کو رپورٹ دینے کا پابند بھی بنایا گیا ہے اور حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے مجسٹریٹ انکوائری کی بات بھی کہی گئی ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کمیشن کی ان رہنما ہدایات پر عمل نہیں کیا جاتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انکاؤنٹرس کے بعد کمیشن بار بار پولیس سے رپورٹ طلب کرتا رہتا ہے اور انکاؤنٹر کرنے والے پولیس اہلکاروں کے خلاف دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقامی پولیس اسٹیشن میں مقدمہ درج کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور پولیس اس کی ہدایات کو نظرانداز کرتی رہتی ہے جیسا کہ ۱۹ رستمبر ۲۰۰۸ء کے بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر میں سبھی نے دیکھا اور محسوس کیا۔ آندھرا پردیش ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی کمیشن کی رہنما ہدایات کی روشنی میں ہے۔ اس نے کوئی نئی گائیڈ لائن تیار نہیں کی ہے بلکہ قومی انسانی حقوق کمیشن کی اسی گائیڈ لائن پر عمل کرنے کی ہدایت دی ہے جسے پولیس نظرانداز کرتی رہتی ہے تاکہ وہ قانون کی گرفت میں نہ آئے اور اس کے ذریعے کیے گئے فرضی انکاؤنٹر بھی صحیح بن جائیں اور انکاؤنٹر کا جو مقصد ہو وہ پولیس کو حاصل ہوجائے۔

آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے فیصلے کو وہاں کی عوامی تنظیمیں اور انکاؤنٹرس میں مارے گئے لوگوں کے رشتے دار اپنی بہت بڑی کامیابی مان رہے ہیں کیونکہ جن مطالبات کے لئے وہ برسوں سے تحریک چلا رہے تھے اور جدوجہد کر رہے تھے ان پر اب عدالتی مہر لگ گئی ہے۔ اب حکومت اور اس کی پولیس کے لئے ان مطالبات کی تکمیل سے فرار اختیار کرنا آسان نہیں رہا۔ اس کی ٹال مٹول کی پالیسی کو عوام پھر سے عدالت میں چیلنج کر کے مذکورہ فیصلے کو نظیر بناسکتے ہیں۔ اگرچہ یہ فیصلہ آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے سنایا ہے لیکن یہ پورے ملک کے لئے نظیر بن سکتا ہے اور پولیس انکاؤنٹرس کے واقعات میں کمی آسکتی ہے۔ پولیس کو سوچنا پڑے گا کہ انکاؤنٹر فرضی ثابت ہونے پر، جو عموماً فرضی ہی ہوتے ہیں، وہ قانون کی گرفت میں آسکتی ہے۔

حالیہ عرصے میں پولیس انکاؤنٹرس کا رجحان جس تیزی کے ساتھ بڑھا ہے، سستی شہرت، تمغہ اور ترقی کا لالچ اور کچھ نہیں تو اقلیتوں کو بدنام کرنے کی غرض سے ملک کے کسی نہ کسی حصے میں پولیس انکاؤنٹر کرتی رہتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ انکاؤنٹر کے لئے پولیس نے لوکیشن تک کا تعین کردیا ہے جیسا کہ نوئیڈا ایکسپریس ہائی وے کے نزدیک سنسان علاقے میں ایک ہی جگہ پر یوپی کی پولیس آئے دن رات کی تاریکی میں جب پوری دنیا سوتی رہتی ہے، انکاؤنٹر کرتی رہتی ہے۔ اس کے لئے بغیر نمبر پلیٹ کی ایسی گاڑی سے نوجوان لڑکوں کو اٹھایا جاتا ہے جس میں فرضی کریڈٹ کارڈ، موبائل فون اور ہتھیار رکھے رہتے ہیں جیسا کہ راجدھانی دہلی کے شاہین باغ علاقے سے محمد عامر نام کے نوجوان کو یوپی پولیس نے اٹھانے کی کوشش کی تھی اور انکاؤنٹرس کرنے والے پولیس اہلکار ایسی گاڑیوں کے ساتھ چلتے رہتے ہیں جن میں بڑی تعداد میں نمبر پلیٹیں رکھی رہتی ہیں تاکہ انکاؤنٹر کے بعد کسی بھی گاڑی میں کوئی بھی نمبر پلیٹ فٹ کرکے اسے نام نہاد دہشت گردوں کی گاڑی بتادیا جائے جیسا کہ حال ہی میں نوئیڈا انکاؤنٹر میں استعمال کی گئی پولیس کی جیپ کی تصویر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو انکاؤنٹر کے نام پر پولیس مارتی ہے۔ ان کے خلاف کوئی بھی سنگین مقدمہ درج نہیں ہوتا۔ سارے مقدمات انکاؤنٹر کے بعد درج کئے جاتے ہیں، انکاؤنٹر کے پہلے تک جس شخص پر کبھی کوئی انگلی نہیں اٹھائی گئی، انکاؤنٹر کے بعد اچانک پولیس اسے خونخوار دہشت گرد کی شکل میں پیش کردیتی ہے۔ ایسے حالات میں انکاؤنٹر کی شرح دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور ہر انکاؤنٹر پر شبہات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اس کی روک تھام کے لئے خصوصاً فرضی انکاؤنٹر کے سلسلے کو بند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پولیس کو بھی قانون کا پابند بنایا جائے اور قانون شکنی پر اسے بھی سزا دلانے کا انتظام کیا جائے۔ اگر اس معاملے میں قومی انسانی حقوق کمیشن کے رہنما اصولوں پر عمل کیا جائے تو اس طرح کی صورتحال ہی نہیں پیدا ہوگی کہ عوام کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے۔

●●

تکرار کے درمیان عام انتخاب کی تیاریاں

بابو شہابی

الیکشن کمیشن نے ملک میں انتخابی نظام کو بہتر بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ مشورے حاصل کرنے کی نیت سے تمام تسلیم شدہ قومی اور ریاستی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کی میٹنگ کے انعقاد کے ساتھ انتخابی عمل کا آغاز کردیا۔ الیکشن کمیشن کے مطابق کمیشن کو جو اطلاعات ملی ہیں وہ آئندہ لوک سبھا انتخابات کرانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔ ذرائع نے بتایا کہ اس کا ہر امکان موجود ہے کہ لوک سبھا انتخابات اس سال اپریل۔ مئی میں ہوں گے۔ سات قومی پارٹیوں سمیت کل ملاکر ۴۷ سیاسی پارٹیوں کو اس میٹنگ میں شرکت کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اس میٹنگ کی صدارت چیف الیکشن کمشنر این گوپالاسوامی نے کی۔ دونوں دوسرے الیکشن کمشنر نوین چاؤلہ اور ایس وائی قریشی بھی موجود تھے۔ صدر جمہوریہ ہند کے نام خط لکھ کر کمشنر کے عہدے سے جانبداری برتنے کے الزام میں نوین چاؤلہ کو ہٹانے کے لئے این گوپالاسوامی کے خط لکھنے کے بعد سہ رکنی الیکشن کمیشن کی یہ پہلی میٹنگ تھی۔ الیکشن کمیشن کی ریاستوں اور مرکزی تحویل کے خطوں کے چیف الیکٹورل افسروں کے ساتھ بھی میٹنگ ہوئی جس میں انتخابی فہرستوں پر نظرثانی، بالتصویر شناختی فہرستوں کی تیاری اور بالتصویر شناختی کارڈوں کی تقسیم میں ابھی تک ہونے والی پیش قدمیوں کا جائزہ لیا گیا۔

ہندوستان میں لوک سبھا کے جو انتخابات ہوئے ہیں وہ پوری دنیا میں سب سے بڑے انتخابات ہیں کیونکہ ملک کے لیڈروں نے یہ بات واضح کردی کہ الیکشن کمیشن میں داخلہ رسہ کشی کا آئندہ لوک سبھا انتخابات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ نوین چاؤلہ کا معاملہ بات چیت کے دوران زیر غور نہیں آیا۔ مرکزی وزیر سائنس و ٹیکنالوجی کپل سبل نے کہا کہ کمیشن نے ابھی تک انتہائی غیر جانبدارانہ طریقے سے اپنا کام انجام دیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح کام کرتا رہے گا۔ بی جے پی کے نائب صدر مختار عباس نقوی نے کہا کہ ہم لوگ کسی فرد کے خلاف نہیں ہیں لیکن ہم لوگوں کو کمیشن کی غیر جانبداری کے سلسلے میں فکر ہے۔ کمیشن کی داخلی چپقلش کا آئندہ انتخابات پر راست اثر پڑسکتا ہے۔ آر جے ڈی کے لیڈر اور وزیر دیہی ترقیات رگھونش پرساد سنگھ نے کہا کہ اس میٹنگ میں صرف عام انتخابات سے تعلق رکھنے والے امور زیر غور آئے۔ سی پی آئی ایم کے لیڈر سیتارام اچیوری نے کہا کہ کمیشن کے داخلی معاملات کا منظر عام پر آنا آئندہ انتخابات سے قبل اچھا نہیں ہوگا۔ جنتا دل (سیکولر) کے لیڈر کنور دانش علی نے کہا کہ میٹنگ میں انتخابی امور پر بھی بات چیت ہوئی۔

ہندوستان میں الیکشن کمشنر کی تشکیل ۲۵ رجنوری ۱۹۵۰ء کو آئین کی دفعہ ۳۲۴ کے تحت ایک خودمختار ادارے کی شکل میں کی گئی تھی۔ سال ۱۹۸۹ء تک الیکشن کمیشن ایک ہی چیف الیکشن کمشنر کے تحت کام کرتا تھا۔ ۱۹۸۹ء میں دو الیکشن کمشنر تعینات کئے گئے لیکن ایک سال بعد ہی ہٹادیے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں پارلیمنٹ نے چیف الیکشن کمشنر کے ساتھ ہی دو الیکشن کمشنروں کے تقرر کا بل پاس کرکے الیکشن کمیشن کو تین ممبری بنادیا۔ ایسا کرنے کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ اکیلا چیف الیکشن کمشنر کسی طرح کی من مانی نہ کرسکے اور وہ دوسرے الیکشن کمشنروں سے مشورہ کرکے غیر جانبدارانہ فیصلہ کرے۔ اس لئے اس سلسلے میں چیف الیکشن کمشنر کے برابر ہی دونوں کمشنروں کو کسی بھی فیصلے پر ووٹنگ کے یکساں اختیارات دیے گئے۔ اس وقت الیکشن کمیشن میں شری گوپالاسوامی چیف الیکشن کمشنر، شری نوین چاؤلہ اور قریشی الیکشن کمشنر ہیں۔ چاؤلہ کو ۱۶ رمئی ۲۰۰۵ء کو چناؤ کمشنر تعینات کیا گیا تھا اور ان کی میعاد ۳۰ رجولائی ۲۰۱۰ء تک ہے۔ ان کو لے کر تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب ۱۶ رمارچ ۲۰۰۶ء کو بی جے پی لیڈر لال کرشن آڈوانی کی قیادت میں این ڈی اے کے ۲۰۴ ممبران پارلیمنٹ نے اس وقت کے صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام کو ایک میمورنڈم دے کر مانگ کی تھی کہ نوین چاؤلہ کو آئین کی دفعہ ۳۲۴ (۵) کے تحت الیکشن کمشنر کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ میمورنڈم میں الزام لگایا گیا تھا کہ کانگریس کے ساتھ ان کے مبینہ تعلقات کی وجہ سے ان سے غیر جانبداری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایک ماہ بعد بی جے پی لیڈر وجے کمار ملہوترہ نے اس میمورنڈم کی کاپی چیف الیکشن کمشنر کو بھی بھیج دی۔

صدر جمہوریہ کی طرف سے وزیر اعظم کو بھیجے گئے میمورنڈم پر حکومت نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ مئی ۲۰۰۶ء میں بی جے پی لیڈر جسونت سنگھ نے نوین چاؤلہ کو ہٹوانے کی اپیل کرتے ہوئے سپریم کورٹ میں عرضی داخل کی جس میں کہا گیا کہ چاؤلہ کے خلاف بے ضابطگیوں کے کئی الزامات کو دیکھتے ہوئے ان سے انتخابات میں غیر جانبداری کی توقع نہیں کی جاسکتی لیکن بعد میں یہ پٹیشن واپس لے لی گئی۔ چاؤلہ ایمرجنسی کے دوران دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر کے سکریٹری تھے اور شاہ کمیشن نے اس وقت ہوئی زیادتیوں اور اختیارات کے غلط استعمال کے لئے ان کے خلاف منفی رائے زنی کی تھی۔ اس کے علاوہ ان پر اپنے خاندان کے ذریعے جے پور میں چل رہے لالہ چمن لال ایجوکیشن ٹرسٹ کے لئے پانچ کانگریسی ممبران پارلیمنٹ سے پارلیمانی علاقہ ترقیاتی فنڈ سے رقم لینے کا الزام بھی لگا تھا۔ جنوری ۲۰۰۸ء میں بی جے پی لیڈر اس معاملے کو دوبارہ چیف الیکشن کمشنر کے پاس لے گئے۔ گوپال سوامی نے اس بار نوین چاؤلہ کو نوٹس بھی دیا اب انھوں نے ۲۰ راپریل کو اپنے ریٹائرمنٹ اور اپریل۔ مئی میں ہونے والے انتخابات سے عین پہلے ہی نوین چاؤلہ کو الیکشن کمشنر کے عہدے سے ہٹانے کی سفارش کی ہے۔ جس میں ان کا کہنا تھا کہ وہ بی جے پی کی طرف سے چاؤلہ پر لگائے گئے ایمرجنسی وغیرہ کے الزامات کو ایک طرف رکھتے ہوئے چاؤلہ کے رویے کے تئیں اپنی نگرانی و تجربوں کے پیش نظر یہ سفارش کر رہے ہیں۔ صدر جمہوریہ نے یہ سفارش وزیر اعظم کو بھیج دی ہے۔ اس معاملے میں اب دو ہی راستے بچتے ہیں کہ یا تو حکومت گوپالاسوامی کی سفارش کو مانتے ہوئے چاؤلہ کو ہٹانے کے لئے مطلوبہ عمل شروع کرے یا گوپالاسوامی کی سفارش کو مسترد کردیا جائے۔ ایک راستہ یہ بھی ہے کہ نوین چاؤلہ خود عہدے سے ہٹ کر سارے تضادات کو ختم کردیں۔ لیکن یہ بھی ایک سوال ہے کہ چاؤلہ ایسا آخر کیوں کریں گے؟

●●

افغانستان میں ویتنام سے طویل جنگ کے عزائم

ثروت جمال اصمعی

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے دنیا میں جو آگ لگی ہے، سات سال سے زیادہ مدت گزر جانے کے باوجود اس کے شعلے مزید بلند ہو رہے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ نائن الیون حملوں کی سرکاری کہانی کی رو سے بھی کوئی افغان شہری ان میں ملوث نہیں تھا، افغان عوام کو اجتماعی سزا دی جارہی ہے جبکہ حیرت انگیز طور پر اس تاریخ کو امریکہ کے پورے سیکورٹی سسٹم کے فیل ہوجانے پر کسی ایک متعلقہ امریکی اہلکار کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ یہ بات ان بے شمار اسباب میں سے ایک ہے جن کی بنا پر بہت سے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ نائن الیون حملوں میں خود امریکی ایجنسیاں ملوث تھیں تاکہ کیسپین کے تیل کے ذخائر تک پہنچنے کے لئے افغانستان پر فوج کشی کی راہ ہموار کی جاسکے۔ چنانچہ امریکہ سمیت چالیس مغربی ملکوں کی فوجیں سات سال سے اس مظلوک الحال ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ سخت جان عوامی مزاحمت نے ان کے دانت کھٹے کر رکھے ہیں۔ پچھلے چند عشروں میں عوامی مزاحمت کے حوالے سے ویت نام میں امریکہ اور افغانستان میں روس کے انتہائی تلخ تجربات کے باوجود مسلم دنیا کو ازسر نو دوستی کا پیغام دینے والی امریکہ کی نئی حکومت بھی افغانستان میں اپنی تاریخ کی طویل ترین جنگ لڑنے کی باتیں کر رہی ہے۔

آنے والے دنوں میں خطے کے حالات کیا رنگ اختیار کریں گے، وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے اس کے اشارے دیے ہیں۔ امریکی کانگریس کی مسلح افواج کی کمیٹی سے اپنے خطاب میں انھوں نے حال ہی میں کہا ہے کہ افغانستان میں امریکہ کو ایک طویل اور مشکل جنگ کا سامنا ہے۔ یہ جنگ کتنی طویل ہوگی؟ اس سوال کا جواب صدر بارک اوباما کی طرف سے پاکستان اور افغانستان کے لئے خصوصی ایلچی مقرر کئے جانے والے سفارت کار رچرڈ ہال بروک صدارتی انتخاب سے پہلے فارن افیئرز میگزین میں یوں دے چکے ہیں: ”افغانستان کی صورت حال مایوس کن ہونے سے تو بہت دور ہے مگر اپنے آٹھویں سال میں داخل ہوجانے والی اس جنگ کے بارے میں اب امریکیوں کو سچ بتا دیا جانا چاہئے۔ جو یہ ہے کہ یہ جنگ طویل مدت تک جاری رہے گی۔ امریکہ نے اب تک جو طویل ترین جنگ لڑی ہے وہ چودہ سال جاری رہنے والی ویت نام جنگ ہے مگر یہ جنگ اس سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہے گی“۔

نہ جانے کیوں ہال بروک نے ویتنام کی جنگ کے رسوا کن نتیجے کی بات نہیں کی مگر عالمی مبصرین برملا کہہ رہے ہیں کہ افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ویت نام سے بھی زیادہ ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ممتاز امریکی تجزیہ کار جسٹن ریمونڈو (Justin Raimondo) لکھتے ہیں: ”اگر ہال بروک درست کہہ رہے ہیں اور ہم ایک ایسی بڑی جنگ کی طرف بڑھ رہے ہیں جو عراق کے مقابلے میں کہیں زیادہ شدید ہوگی تو اس کی طوالت کے بارے میں ان کی بات درست نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جس جنگ کی وہ بات کر رہے ہیں وہ بے لگام تشدد اور جنون و وحشت کا آخری دور ہوگا۔ اس کے نتائج مکمل تباہی و بربادی اور ہمارے تیزی سے غلط ثابت ہوتے ہوئے سامراجی دعووں کی کامل ناکامی کی شکل میں برآمد ہوں گے۔ کیا یہ جنگ ویت نام کی جنگ سے طویل ہوگی؟ میں اسے زیادہ سے زیادہ پانچ سال دیتا ہوں، اس کے اختتام پر ہم اپنے زخم چاٹ رہے ہوں گے اور دیوانہ وار اس صورتحال سے نکلنے کی راہ ڈھونڈ رہے ہوں گے“۔

سوال یہ ہے کہ امریکی حکمراں افغانستان کے خلاف اس جنگی جنون کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں؟ اس حوالے سے یہ حقیقت یقینی شواہد کے ساتھ سامنے آچکی ہے کہ افغانستان پر یلغار کا مقصد کیسپین کے علاقے میں موجود تیل اور گیس کے وسیع ذخائر تک پہنچنا تھا اور سات سال کی ناکام جنگ کے بعد بھی امریکی قیادت اور سرمایہ داروں کے لئے اس بے تحاشا دولت پر دسترس کے خواب سے دستبردار ہوجانا ممکن نہیں۔ لہٰذا وہ ہر صورت میں کامیابی کے لئے جنگ کی اس بھٹی میں اپنے وسائل جھونکتے چلے جارہے ہیں۔ جبکہ اس کے نتیجے میں پوری دنیا ہر روز زیادہ غیر محفوظ ہوتی جارہی ہے۔ امریکہ کے ارباب اختیار کو تباہی کی اس راہ پر آگے بڑھنے سے روکنا پوری انسانی برادری کا فرض ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ نائن الیون حملوں کی ازسرنو تحقیقات ہو تاکہ اس کے اصل اسباب اور ذمہ داروں کا پتہ لگ سکے اور افغانستان پر فوج کشی کی حقیقت دنیا پر پوری طرح واضح ہوجائے۔ اس کے نتیجے میں یقیناً افغانستان میں جنگ کا جاری رکھا جانا مشکل ہوجائے گا۔ یہ تحقیقات بین الاقوامی اہتمام میں اور پوری طرح شفاف ہونی چاہئے۔ امریکہ میں بہت سے ممتاز افراد اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان میں سابق وزراء، امریکی محکمہ خارجہ کے متعدد سابق اعلیٰ حکام، سائنسداں اور محققین شامل ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ پوری انسانی برادری اس مطالبے کا ساتھ دے کیونکہ جنگ کے دیوتاؤں کو دنیا میں مزید تباہی پھیلانے سے روکنے کے لئے یہ ناگزیر ہے۔

●●

فکر معاصر

پولیس اور مظالم

ہندوستانی پولیس اور مظالم کا چولی دامن جیسا ساتھ ہے۔ جیسے پولیس بغیر مظالم کئے اپنی اہمیت اور حیثیت ہی نہیں جتا سکتی۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آزادی کے بعد پولیس کا رویہ بالکل بدل جاتا، وہ عوام کی سچی ہمدرد بن جاتی۔ جرائم کی بیخ کنی میں خود عوام اس کے ساتھ تعاون کرتے لیکن اب لوگ پولیس سے دور بھاگتے ہیں، شریف آدمی تو پولیس کے سائے سے ہی بھاگتے ہیں۔ ان کا کتنا ہی نقصان ہوجائے وہ پولیس سے مدد لینے کے بجائے صبر کر لینا زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔ غلطیاں ہر سطح پر ہورہی ہیں، پولیس کے انتخاب، اس کی تربیت کے علاوہ اس کے مقاصد کو بھی غلط طور سے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بات ایک بار نہیں کئی بار کھل کر سامنے آچکی ہے کہ پولیس والوں کے تقرر کے لئے اقربا پروری، رشوت ستانی، اثر ورسوخ وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں اچھے لوگوں کا انتخاب کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلی ہی منزل پر شفافیت کو مقدم رکھا جائے کیونکہ ایسا ہوگا تب ہی ایسے لوگ پولیس محکمے میں بھرتی ہوسکیں گے جن پر اعتماد اور فخر کیا جاسکے۔ پولیس کی تربیت میں کافی مستعدی اور ہنرمندی کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی تربیت اس طرح ہو کہ اسے یقین دلایا جائے کہ اس کے ذریعے کیا گیا ہر غلط کام کسی نہ کسی طرح خود اس کے لئے مہلک ہوگا اور وہ جو درست کام کرے گی اس کا فائدہ بہرحال ہوگا اور اس فائدے سے سبھی مستفید ہوں گے۔

پولیس کو یہ بتایا جانا بہت ضروری ہے کہ وہ عوام کی خدمت کے لئے ہوتی ہے اسے ان کی خدمت کرنا چاہئے، ان پر حکم چلانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اگر اس نے طاقت کا رعب دکھانے کی کوشش کی تو پھر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک شریف آدمی کو بھی مجرم بننا پڑے گا۔ اگر یہ سب باتیں ہونے لگیں تو یقیناً ہماری پولیس قابل احترام ہوگی اور لوگ اس کی آؤ بھگت کریں گے بصورت دیگر حالات بگڑتے چلے جائیں گے۔ ایک بڑی ہی عجیب، افسوسناک اور حیرت انگیز خبر پنجاب سے آئی ہے کہ پانچ افراد کو ایک ایسے جرم کی سزا دی گئی جو انھوں نے کیا ہی نہیں تھا انہیں بیس برس کی عمر قید ہوئی تھی جس میں بارہ برس وہ لوگ گزار چکے تھے کہ اچانک سچ کھل کر سامنے آگیا اور محکمہ پولیس سکتے میں ہے کہ کیا کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے روپیوں کے لین دین میں کچھ نفع نقصان دیکھتے ہوئے اپنے مخالفوں کو زمین چٹانے کا فیصلہ کرلیا، اس کے لئے اپنے جان پہچان کے ایک جوان لڑکے کو غائب کرا دیا گیا۔ اسے اس شرط پر دوسری جگہ بھیج دیا گیا کہ اس کے تمام اخراجات برداشت کئے جائیں گے اور اسے معقول معاوضہ دیا جائے گا مگر وہ کبھی اپنے شہر نہیں آئے گا۔ اس کے بعد پولیس میں اطلاع دے دی گئی کہ اس آدمی کا قتل کردیا گیا ہے۔ قاتل ان کو بتایا گیا جن سے روپیوں کے لین دین میں جھگڑا ہوگیا تھا۔ پولیس نے پانچ افراد کو گرفتار کرلیا، سازش رچنے والوں نے عینی شہادت پیش کردی اور کسی فوت شدہ نوجوان شخص کی لاش کی شناخت بھی کرادی۔ عدالت نے معاملہ ہرلحاظ سے درست سمجھ کر پانچ افراد کو عمر قید کی سزا دے دی، پانچوں جیل بھیج دیئے گئے، بارہ برس تک سب بغیر کسی جرم کے سزا کاٹتے رہے، اچانک مقتول بنایا جانے والا نوجوان اکتا کر ان لوگوں کے پاس گیا جنھوں نے اسے چھپنے کے عوض بہت کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا تب ہی مخبری ہوگئی۔ پولیس نے اسے گرفتار کرلیا تب حقائق آشکار ہوئے اور خود پولیس نے تسلیم کیا کہ جن کو بارہ سال تک جیل میں سزا کاٹنا پڑی وہ تو بالکل معصوم ہیں۔ اس طرح کی واردات کے بعد پولیس کی کارکردگی پر کس طرح اطمینان کیا جاسکتا ہے اور کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی پولیس کسی بھی طرح جمہوری آزاد ملک کی پولیس لگتی ہے۔ وہ تو آج بھی انگریزوں کی پولیس لگتی ہے جس کا کام صرف ظلم ہی کرنا تھا۔

(روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

اسرائیلی انتخابات میں حکمراں جماعتوں کو شکست کا سامنا

آصف جیلانی۔لندن

اسرائیل اس وقت سخت مخمصے میں گرفتار ہے۔ غزہ کی ظالمانہ ہولناک جنگ کے باوجود حماس کا قلع قمع نہیں ہوسکا ہے۔ ۲۲ روز کی جنگ کی تباہیوں اور مصائب نے غزہ کے عوام میں حماس کے اثر اور اس کی مقبولیت کو ذرہ برابر متزلزل نہیں کیا ہے، بلکہ غرب اردن میں بھی جہاں محمود عباس کی تنظیم الفتح کی حکومت ہے، اس کی معتبری اور مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ غزہ کے نظم ونسق پر اب بھی حماس کا مکمل کنٹرول ہے اور جنگ کے نقصانات کے باوجود اس کی فوجی قوت برقرار ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کے اس اقدام پر پوری دنیا میں مذمت، ملامت اور لعن طعن ہورہی ہے۔

اس پس منظر میں ۱۰ر فروری کو اسرائیل میں عام انتخابات ہورہے ہیں یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ۲۷ر دسمبر کو جب اسرائیل نے اپنی پوری فوجی قوت کے ساتھ غزہ پر حملہ کیا تھا تو اس وقت غیرمعمولی طور پر اسرائیل کے عوام کی بھاری اکثریت نے اس اقدام کی مکمل تائید کی تھی۔ اسرائیل کا بایاں بازو جو فوجی قوت کے بجائے فلسطینیوں کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے عرب اسرائیل تنازعہ کے حل کا دم بھرتا ہے اور وہ تمام تنظیمیں جو امن کے لئے کام کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں، ان سب نے نہایت پراسرار انداز سے پسپائی اختیار کرلی اور انہیں ایک لفظ بھی اس بہیمانہ جنگ کے خلاف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ یوں یہ چپ سادھے ہوئے غزہ کی جنگ پر بغلیں بجانے والی اسرائیلی اکثریت کے ساتھ شامل ہوگئیں۔

لیکن اب جنگ بند ہونے کے بعد صورتحال نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ اسرائیلی روزنامہ ''ہارتیں'' میں شائع ہونے والے رائے عامہ کے ایک جائزے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ اکتالیس فیصد اسرائیلی غزہ کی جنگ کو کامیاب قرار دیتے ہیں اور اکتالیس فیصد یہ سمجھتے ہیں کہ اس جنگ میں اسرائیل ناکام رہا ہے۔ جن اسرائیلیوں کی یہ رائے ہے کہ جنگ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے ان میں سے ۳۷ فیصد کے خیال میں یہ جنگ اس لحاظ سے ناکام رہی ہے کہ غزہ میں حماس کا قلع قمع نہیں ہوسکا اور گیارہ فیصد کی یہ رائے ہے کہ جنگ اس بنا پر ناکام رہی کہ اس میں بہت زیادہ فلسطینی شہری ہلاک ہوئے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ غزہ کی اس جنگ میں فتح کے دعوے کے باوجود اسرائیلی حکمراں جماعتوں کو عام انتخابات میں شکست کا سامنا ہے۔ عام انتخابات سے ایک ہفتہ قبل رائے عامہ کا جو جائزہ سامنے آیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر خارجہ زپی لیونی کی جماعت قدیمہ پارٹی اور وزیر دفاع ایہود بارک کی لیبر پارٹی غزہ کی اس جنگ سے جس میں تیرہ سو فلسطینی ہلاک ہوئے، غزہ کھنڈر بن کر رہ گیا اور ۹۰ ہزار فلسطینی بے گھر ہوگئے، وہ سیاسی فوائد حاصل کرنے میں یکسر ناکام رہیں جس کی انہیں امید تھی۔ عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ عام انتخابات سے صرف ۴۵ دن پہلے غزہ پر حملہ دراصل انتخابی جیت حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا اور انہیں یہ توقع تھی کہ اس جنگ میں فتح کا انعام اسرائیلی عوام انہیں انتخابی جیت کی صورت میں دیں گے۔

لیکن رائے عامہ کے جائزوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زپی لیونی اور ایہود بارک کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے کیونکہ اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ حزب مخالف کے کٹر صہیونی رہنما بنجامن نیتن یاہو کی جماعت لیکوڈ پارٹی عام انتخابات میں فتح مند رہے گی اور اس کے ساتھ ایک اور کٹر صہیونی لیبرمین کی جماعت اسرائیل بیتنو کو نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔ ان جائزوں کے مطابق اس کا امکان ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسہ کی ۱۲۰ نشستوں میں سے لیکوڈ اور اس کی اتحادی جماعتیں ۶۵ سے زیادہ نشستیں حاصل کرلیں گی۔

عام خیال ہے کہ لیکوڈ پارٹی کے بنجامن نیتن یاہو کی انتخابی فتح کے نتیجے میں نہ صرف اسرائیل بلکہ اسرائیل سے باہر بھی حالات سنگین رخ اختیار کر جائیں گے۔ خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ بنجامن نیتن یاہو اپنی کٹر صہیونی پالیسیوں کی بنا پر اسرائیل کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ ۵۹ سالہ بنجامن نیتن یاہو اس سے پہلے ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۹ء تک اسرائیل کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں وہ ایریل شیرون کی حکومت میں وزیر خزانہ تھے لیکن ایریل شیرون کی غزہ سے انخلاء کی پالیسی کے خلاف بطور احتجاج انھوں نے کابینہ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ایریل شیرون نے جب لیکوڈ پارٹی چھوڑ کر اپنی نئی جماعت قدیمہ پارٹی تشکیل دی تو بنجامن نیتن یاہو کو لیکوڈ کی قیادت پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔

نیتن یاہو کے والدین لیتھوینیا کے یہودی ہیں جو اسرائیل کے قیام کے بعد نقل مکانی کرکے یہاں آباد ہوئے تھے۔ بنجامن نیتن یاہو البتہ اسرائیل کے قیام کے بعد تل ابیب میں پیدا ہوئے۔ بنجامن نیتن یاہو بے حد کٹر صہیونی مانے جاتے ہیں اور ہمیشہ انھوں نے علیحدہ فلسطینی مملکت کے قیام کی سخت مخالفت کی ہے۔ اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں گو انھوں نے امریکہ کے دباؤ پر یاسر عرفات کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں وائی ریور سمجھوتہ کیا تھا لیکن اس پر انھوں نے طرح طرح کے حیلے بہانے کرکے عملدرآمد نہیں کیا بلکہ اس دوران انھوں نے غرب اردن کے شہر حبرون (الخلیل) پر قبضہ کرکے اسے اسرائیل کی حاکمیت میں لے لیا۔

اب بنجامن نیتن یاہو نے کھلم کھلا اپنے انتخابی منشور میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ کسی صورت میں غرب اردن میں یہودی نوآبادیاں ختم نہیں کریں گے۔ یروشلم کے بارے میں ان کا صاف صاف کہنا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسرائیل کا حصہ اور اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔ حماس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ برسراقتدار آتے ہی اس تحریک کا تختہ الٹ دیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ غزہ میں جنگ وقت سے پہلے بند کردی گئی اور صحیح معنوں میں اس کے مقاصد حاصل نہیں ہوئے۔ ایران کے بارے میں بھی ان کا موقف نہایت سخت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایران کو جوہری طاقت بننے سے روکنے کے لئے امریکہ اور پورے مغرب کو سفارتی کوششوں، اقتصادی تادیبی پابندیوں اور مکمل ناکہ بندی کے ساتھ فوجی کارروائی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

بہت سے مبصرین کا یہ خیال ہے کہ اگر بنجامن نیتن یاہو برسر اقتدار آگئے تو ان کا یہ موقف اور پالیسیاں بلاشبہ نئے امریکی صدر بارک اوبامہ کے لئے سخت پریشانی اور الجھنوں کا باعث ہوں گی اور مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن کے قیام کے لئے ان کے خاص ایلچی جارج مچل کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوں گی۔ یہ صدر بارک اوبامہ کے لئے کڑی آزمائش ہوگی کیونکہ بنجامن نیتن یاہو کے امریکی یہودی لابی سے بے حد قریبی تعلقات ہیں۔ وہ ایک عرصے تک امریکہ میں اسرائیل کے سفیر بھی رہ چکے ہیں اور ان کے بااثر حلقوں کے ساتھ گہرے روابط ہیں۔

تین سال قبل عام انتخابات میں جب اسرائیلی عوام نے قدیمہ پارٹی کے حق میں فیصلہ کیا تھا تو انہیں قوی امید تھی کہ پارٹی اپنے وعدے کے مطابق اسرائیل اور فلسطین کے درمیان حتمی سرحدیں کھینچے گی اور دو مملکتی فارمولے کے تحت فلسطین کی علیحدہ مملکت کو تسلیم کرلے گی۔ لیکن بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ قدیمہ پارٹی کے رہنماؤں کے دل میں کھوٹ تھی۔ ایریل شیرون نے غزہ سے یہودی نوآبادیوں کو اس مقصد سے ختم کیا تھا اور وہاں سے اسرائیلی فوجیں اس لئے نکال لی تھیں تاکہ اس پر بھرپور حملہ کیا جاسکے اور کوئی یہودی بستی یا یہودی اس کی زد میں نہ آئے۔ ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو وہی ہوا جس کی اتنے طویل عرصہ پہلے منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ قدیمہ پارٹی نے فلسطینی مملکت کے قیام میں مدد دینے کے بجائے اس کی ہر ہر قدم پر بیخ کنی کی کوشش کی، فلسطینیوں کی تنظیموں فتح اور حماس کو آپس میں لڑایا، اور جب حماس غزہ کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوگئی تو قدیمہ پارٹی کی حکومت نے غزہ کا محاصرہ کرکے پندرہ لاکھ فلسطینیوں کا گلا گھونٹنے کے جتنے کئے۔ قدیمہ پارٹی کی حکومت نے تین سال کے عرصے میں ملک کو دو جنگوں کی آگ میں دھکیلا۔ پہلے ۲۰۰۶ء میں لبنان کے خلاف جنگ، اور اب غزہ کی جنگ میں۔ غرض قدیمہ پارٹی مکمل طور پر ناکام رہی ہے اور عین ممکن ہے کہ عام انتخابات میں بھی ناکام رہے۔

●●

ایران کا ایٹمی پروگرام اور محاصرہ

میر بابر مشتاق

ایران کا رقبہ فرانس، سوئٹزرلینڈ، اٹلی، اسپین اور انگلینڈ کے مجموعی رقبے سے زیادہ ہے۔ ایران سولہ لاکھ ۳۲ ہزار ۱۸۹ مربع کلو میٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع اور خوبصورت ملک کے جنوب میں خلیج فارس اور بحیرۂ عمان، مغرب میں ترکی اور عراق، شمال میں بحیرۂ کیسپین، شمال مغرب میں جمہوریہ آرمینیا اور آذربائیجان، شمال مشرق میں جمہوریہ ترکستان اور مشرق میں افغانستان، پاکستان واقع ہیں۔ سات کروڑ آبادی رکھنے والے اس ملک میں شیعہ مجموعی آبادی کا ۸۹ فیصد، سنی ۹ فیصد، جبکہ زرتشتی، یہودی، عیسائی اور بہائی دو فیصد ہیں۔ ایران کی سرحدوں کی مجموعی لمبائی سات ہزار ۸۱۷ کلومیٹر سے زیادہ۔ ایران کی پاکستان کے ساتھ ملک سیاہ کوہ سے لے کر گوادر تک ۸۵۲ کلومیٹر، افغانستان کے ساتھ ۸۶۴ کلومیٹر، جمہوریہ ترکمانستان کے ساتھ ۹۶۰ کلومیٹر، بحیرۂ کیسپین، روس، قازقستان اور جمہوریہ ترکستان کے ساتھ ۷۶۴ کلومیٹر، آذربائیجان کے ساتھ ۴۶۸ کلومیٹر، آرمینیا کے ساتھ چالیس کلومیٹر، ترکی کے ساتھ ۴۸۸ کلومیٹر، عراق کے ساتھ ۱۳۳۶ کلومیٹر اور خلیج فارس اور بحیرۂ عمان کے ساتھ ۲۰۲۵ کلومیٹر کی مشترکہ سرحدیں ہیں۔ ایران کے تیس صوبے ہیں۔ ایران میں ۱۹۷۹ء کے انقلاب کی یاد میں ہر سال یکم اپریل کو یوم جمہوریہ منایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گیارہ فروری یوم انقلاب اور ۲۱ر مارچ نوروز کے طور پر منایا جاتا ہے۔

ایران کے سیاسی نظام میں وزارت عظمیٰ کا کوئی عہدہ نہیں ہوتا، صدارتی نظام کے تحت صدر کے انتخابات کے لئے پندرہ سال سے اوپر کے مرد وخواتین ووٹ دینے کے اہل ہوتے ہیں۔ ۷ر اگست ۲۰۰۵ء کے انتخابات میں محمود احمدی نژاد نے اپنے مدمقابل علی اکبر ہاشمی رفسنجانی کے ۳۶ فیصد کے مقابلے میں ۶۲ فیصد ووٹ حاصل کئے۔ ایرانی مجلس ۲۹۰ اراکین پر مشتمل ہے جس کا انتخاب چار سال کے لئے کیا جاتا ہے۔

ایرانی تہذیب وتمدن ہزاروں سال کی تاریخ رکھتا ہے۔ تاریخ دانوں کے مطابق ایران میں ۹ ہزار سال سے ایک مہذب قوم رہ رہی ہے جس کی بنیادیں ۵۳۹ قبل مسیح میں سائرس اعظم نے رکھی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ۶۳۵ عیسوی میں مسلمانوں نے ساہانی سلطنت کے یزدگرد III کو شکست فاش دے کر سلطنت فارس کو اسلامی ریاست میں شامل کیا۔ ۶۵۰ عیسوی تک مسلمانوں نے شیروان، قم، اصفہان، شیراز اور خراسان تک سارے علاقوں پر اپنا کنٹرول مستحکم کرلیا۔

ایران میں انقلاب سے قبل ۱۹۷۹ء میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد ۸۲ لاکھ ۸ ہزار تھی جو ۲۰۰۰ء میں دو کروڑ تک پہنچ گئی جبکہ شرح خواندگی ۴۷.۵ فیصد سے ۸۹ فیصد تک پہنچائی گئی۔ اس دوران اعلیٰ تعلیم کے لئے اداروں کی تعداد ۲۴۴ سے بڑھا کر ۳۶۰ کردی گئی۔ ڈیموں کی تعداد ۱۹۷۹ء میں صرف چودہ تھی جو ۱۹۹۶ء تک ۳۲ تک جا پہنچی۔ اقوام متحدہ کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق ایران عراق جنگ کے دوران ۹۷۲ ارب ڈالر کا نقصان ہوا تھا لیکن آج جنگ کی اس تباہی کو ایرانیوں نے اپنی خوشحالی میں تبدیل کرلیا ہے، ایران میں تیل کے چوتھے بڑے ذخائر ہیں۔ پیداوار کے لحاظ سے یہ سعودی عرب کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔ امریکہ کی مخالفت کی وجہ سے غیر ملکی کمپنیاں یہاں سرمایہ کاری سے گھبراتی ہیں۔ اس رکاوٹ کے ہٹنے سے ایران کی ترقی کو کوئی نہیں روک سکے گا۔

ایران کا ایٹمی پروگرام اور امریکہ کی سرپرستی

شاہ ایران نے امریکہ کی سرپرستی میں جوہری توانائی کے حصول کے لئے ۱۹۶۷ء میں تہران نیوکلیئر ریسرچ سنٹر قائم کرکے ایٹمی پروگرام کا عملاً آغاز کیا۔ اٹامک انرجی آرگنائزیشن آف ایران کے زیر انتظام چلنے والے اس سینٹر میں امریکہ نے پانچ میگاواٹ بجلی تیار کرنے والا تحقیقی ری ایکٹر بھی قائم کیا جو اپنے سپنٹ فیول میں سالانہ بنیادوں پر چھ سو گرام پلوٹونیم تیار کرسکتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے تیل بحران اور اس کی قیمتوں میں اضافے سے شاہ ایران کو جوہری پروگرام کو وسیع پیمانے پر شروع کرنے کے لئے بہت وسائل ملے۔ اس وقت انفلوئنشل اسٹینڈرڈ ریسرچ نامی ایک تنظیم نے اندازہ لگایا کہ ایران کو ۱۹۹۰ء تک جوہری توانائی کے ذریعے بیس ہزار میگا واٹ بجلی حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ ایران کی پشت پر امریکہ مضبوطی سے کھڑا تھا، اس لئے اس نے جوہری پروگرام کو توسیع دینے میں ایران کی ہر طرح سے مدد کی۔ ایران نے مغربی جرمنی کے ساتھ ۱۹۷۴ء میں بوشہر میں بارہ سو میگاواٹ بجلی ری ایکٹر تعمیر کرنے کا ٹھیکہ دیا۔ ایران نے ۱۹۷۵ء میں اپنے سائنسدانوں کو جوہری مہارت سے آراستہ کرنے کے لئے میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے ساتھ معاہدہ کیا جس کے تحت سیکڑوں ایرانی سائنسدانوں نے امریکہ میں تربیت حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء میں ہی ایران اور بھارت کے درمیان جوہری تعاون کا معاہدہ عمل میں آیا۔ اصفہان میں فرانس کے تعاون سے نیوکلیئر ٹیکنالوجی سنٹر قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد ایرانی انجینئروں کو تربیت فراہم کرنا تھا۔

امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان سڈنی سوبر نے ۱۹۷۷ء میں انکشاف کیا کہ ایران امریکہ سے آٹھ جوہری ری ایکٹر خریدنا چاہتا ہے۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۷۷ء کو دونوں ممالک کے درمیان معاہدے کے حتمی مسودے پر دستخط بھی کئے گئے۔ معاہدے کے تحت امریکہ کو ایران کو جوہری شعبے میں مکمل تعاون فراہم کرنا تھا، تاہم انقلاب کے بعد وزیر اعظم مہدی بازرگان کی طرف سے ٹھیکہ منسوخ کرنے کے بعد یہ منصوبہ ختم ہوگیا۔ ایران نے ۱۹۸۲ء میں عراق کی سرحد کے قریب خوین میں ایٹمی ری ایکٹروں کے لئے چین کے ساتھ معاہدہ کیا، تاہم ایران، عراق کی جنگ کی وجہ سے یہ ری ایکٹر پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ ۸۰ء کے عشرے میں ارجنٹائن، جرمنی اور اسپین سے تعلق رکھنے والی کمپنیوں کے ایک کنسورشیم نے ایران کو بوشہر پلانٹ مکمل کرنے کی پیشکش کی تاہم امریکہ نے مخالفت کرتے ہوئے یہ معاہدہ نہ ہونے دیا۔

ایرانی ایٹمی پروگرام کی امریکی مخالفت

انقلاب کے بعد ایرانی ایٹمی پروگرام کو امریکہ نے غیر مؤثر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ایرانی حکومت نے خصوصی طور پر بوشہر پروجیکٹ کی تکمیل اور بحالی کے لئے ۱۹۹۰ء میں اسپین کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف انڈسٹری اینڈ نیوکلیئر ایکوپمنٹ سے رجوع کیا لیکن امریکہ نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس معاہدے کو بھی نہ ہونے دیا۔ ایران نے ۱۹۹۳ء میں اٹالین فرم النالڈو کے ساتھ آٹھ اسٹیم کنڈنسر کی فراہمی کا معاہدہ کیا، لیکن امریکہ نے اس معاہدے پر بھی عملدرآمد نہ ہونے دیا۔ ۱۹۹۴ء میں پولینڈ سے جوہری ری ایکٹر کے اجزا خریدنے کی کوشش بھی ناکام بنا دی گئی۔ ایران اور روس نے ۱۹۹۵ء میں بوشہر کے ایٹمی ری ایکٹروں کے منصوبے کو مکمل کرنے کے لئے معاہدہ کیا جس کے تحت چار سال کے دوران ری ایکٹروں کو مکمل کیا جانا تھا اور ان سے سالانہ ۱۸۰ کے جی آر پلوٹونیم حاصل کیا جانا تھا۔ کلنٹن حکومت کے دباؤ کے باوجود روس نے ایران کے ساتھ معاہدہ منسوخ کرنے سے انکار کردیا تو امریکہ نے شور مچانا شروع کردیا اور الزام لگایا کہ ایران جوہری ہتھیار بنا رہا ہے۔ ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد عالم مغرب خصوصاً امریکہ اور اسرائیل اس کے دشمن بن گئے ہیں۔ امریکہ نے انقلاب کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے ایران کے خلاف عالمی سازشوں کا جال بننا شروع کردیا ہے۔ امریکہ میں مضبوط صہیونی لابی کے متعدد سرگرم اہلکاروں نے امریکی حکام کو ایران پر پہلے حملہ کرنے کے لئے اکسایا، لیکن امریکی حکام ایران کے خلاف الزامات کی چارج شیٹ مرتب نہیں کرسکے۔ ایران کی حکومت مستحکم اور اس کے عوام انقلاب سے خوش ہیں۔

امریکہ نے عراق کے خلاف جھوٹا پروپگنڈا کیا کہ اس کے پاس جوہری ہتھیار ہیں۔ امریکہ اس اصول پر کاربند ہے کہ جھوٹ اتنے تواتر سے بولو کہ وہ سچ لگنے لگے۔ مغربی حکمرانوں اور امریکہ نے عالمی توانائی ادارے کو اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ادارے کے ۳۵ رکنی بورڈ آف ڈائریکٹرز کو مسلسل دباؤ میں رکھنے کے بعد تین کے مقابلے میں ۲۷ ووٹوں کی اکثریت سے ایران کے خلاف ۲۰۰۶ء کی ابتداء میں قرارداد پاس کرالی گئی ہے۔ سیکورٹی کونسل کی طرف سے ایران کو اپنا جوہری پروگرام بند کرنے کے لئے جو مہلت دی گئی وہ ۲۸ر اپریل ۲۰۰۶ء کو ختم ہوچکی ہے جس کے بعد عالمی توانائی ادارے کے سربراہ محمد البرادعی نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایران ۳.۶ فیصد تک یورینیم کی افزودگی کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے جو ایٹمی پلانٹ میں استعمال ہونے کے لئے کافی ہے۔ ایرانی حکام نے اپنے ایک خط میں عالمی ادارے کو جوہری معاملہ اقوام متحدہ میں نہ لے جانے کی یقین دہانی پر اس کے خدشات وتحفظات کے خاتمے کی یقین دہانی کرائی ہے۔

●●

ڈاکٹر قدیر کی رہائی پر کہیں خوشی کہیں غم

گورڈن کوریرا (بی بی سی)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی رہائی پر اگرچہ پاکستان میں زیادہ تر لوگ خوشیاں منائیں گے لیکن واشنگٹن میں ان کی رہائی سے خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں گی۔ اگر واشنگٹن میں سیاستداں پاکستان کے ایٹمی سائنسداں کو جوہری پھیلاؤ کے 'کالے دھندے' کا سرغنہ کے طور پر پیش کرنا پسند کرتے ہیں۔ سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے تو مبینہ طور پر انہیں 'کم از کم اسامہ بن لادن جتنا خطرناک' قرار دے دیا تھا تو پاکستان میں وہ ایک بڑی تعداد کے لئے ہمیشہ سے ایک ہیرو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی بدنامی کی وجہ یہ عمومی خیال ہے کہ انھوں نے دوسرے ملکوں کے جوہری پروگرام کو ترقی دینے میں بھی خفیہ طریقے سے مدد کی۔ ڈاکٹر قدیر خان ستر کے عشرے میں ایک نوجوان سائنسداں کی حیثیت سے یورپ آئے اور انہیں یورپ کے جوہری پروگرام کے ایک سب کنٹریکٹر کے پاس نوکری مل گئی۔ اس جوہری پروگرام کے تحت سنٹی فیوجز سے جوہری ایندھن بنایا جاتا تھا اور انہیں سنٹی فیوجز کو جوہری اسلحے کی تیاری میں یورینیم کی افزودگی کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب ان کا اپنا آبائی ملک پاکستان ایک بحران سے گزر رہا تھا۔ پاکستان کو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور بعد میں بھارت نے ۱۹۷۴ء میں 'پرامن' جوہری بم کا تجربہ کیا۔

وطن واپس آکر انھوں نے جوہری سپلائرز کا ایک فقیدالمثال نیٹ ورک قائم کیا جن میں سے زیادہ تر یورپی بزنس مین تھے۔ یہ سپلائرز انتہائی حساس پارٹس پاکستان بھیجتے جہاں ڈاکٹر خان کہوٹہ یورینیم کی افزودگی کا پلانٹ تعمیر کررہے تھے۔

سنٹی فیوجز کی تیاری ایک انتہائی پیچیدہ تکنیکی کام ہے۔ جیسا کہ ایران نے حالیہ برسوں میں دیکھا۔ لیکن ۸۰ کی دہائی کے اوائل میں کہوٹہ پاکستان کے جوہری اسلحے کے لئے افزودہ یورینیم تیار کررہا تھا۔ اس جوہری اسلحے کا تجربہ ۱۹۹۸ء تک نہ ہوسکا جب انڈیا کے جوہری تجربے کے جواب میں پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا۔ پاکستان کے جوہری تجربے کے ساتھ ہی پاکستان کے جوہری پروگرام کے بانی کی حیثیت سے ان کی اہمیت مسلم ہوگئی۔

تقریباً انہی دنوں میں امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے اور برطانوی سکریٹ سروس ایم آئی سکس کو ایسے اشارے ملنا شروع ہوگئے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صرف پاکستان کا اپنا جوہری بم نہیں بنا رہے بلکہ انتہائی حساس نوعیت کی جوہری خفیہ معلومات ایران، شمالی کوریا اور لیبیا سمیت دوسرے ملکوں کو بھی مہیا کررہے تھے۔ لیبیا کے ساتھ مغربی دنیا کی ڈیل نے بالآخر ڈاکٹر قدیر کے مبینہ جوہری پھیلاؤ کے کام کو روک دیا۔ ۲۰۰۳ء میں لیبیا کے سربراہ کرنل معمر قذافی کے ایک نمائندے نے برطانوی خفیہ ادارے ایم آئی سکس سے رابطہ کرکے پیشکش کی کہ لیبیا سفارتی تنہائی سے باہر آنے کے لئے بات چیت کے لئے تیار ہے۔

لیبیا کے اہلکاروں نے جو اشیاء مغربی اداروں کے حوالے کیں ان میں ایک ایسا تھیلا بھی تھا جس میں ایک جوہری بم کے ڈیزائن کے بارے میں معلومات موجود تھیں۔ ان معلومات کو اس وقت کے پاکستانی صدر جنرل پرویز مشرف کے سامنے رکھا گیا اور انہیں ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف اقدامات کرنے پر مجبور کیا گیا۔ فروری ۲۰۰۴ء کو ڈاکٹر خان پی ٹی وی پر آئے اور انھوں نے اپنی 'غیر قانونی جوہری پھیلاؤ کی سرگرمیوں' کا اعتراف کیا۔ انہیں فوری طور پر گھر پر نظر بند کردیا گیا۔ ان کے وکلاء اس وقت سے ان کی حراست کے خلاف قانونی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں دیئے گئے کئی انٹرویوز میں انھوں نے کہا کہ ان کا اقبالی بیان غلط تھا۔

کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جوہری پھیلاؤ میں ڈاکٹر خان کا محرک لالچ یا پیسہ تھا۔ لیکن ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان کی سرگرمیوں کا بنیادی محرک جوہری میدان میں مغرب کی اجارہ داری کو ختم کرنے کی خواہش ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی متنازع ہے کہ وہ کس حد تک آزادانہ حیثیت سے کام کررہے تھے اور کس حد تک پاکستانی ریاست ان کے ساتھ 'شریک جرم' ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی سینئر فوجی عہدیدار کم از کم ڈاکٹر خان کی سرگرمیوں سے واقف تھے اور اس بات کو منظر عام سے روکنے کے لئے ہی انھوں نے ڈاکٹر قدیر خان کی نظربندی کے احکام جاری کئے۔ ان کی نظربندی پر اس سختی سے عملدرآمد کرایا گیا کہ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کو بھی ان سے براہ راست پوچھ گچھ کے لئے رسائی نہیں دی گئی۔

فوجی حکومت کے خاتمے اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کے رخصتی نے ہی ڈاکٹر خان کی رہائی کی راہ ہموار کی ہے۔ ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ابھی تک کئی سوال تشنہ ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ انھوں نے کس کو کیا دیا؟ صرف گزشتہ سال ایسی رپورٹیں سامنے آئی تھیں کہ ہوسکتا ہے ان کے نیٹ ورک کے پاس اس سے کہیں جدید جوہری اسلحے کی کاپیاں موجود ہوں جتنا پہلے خیال کیا جاتا تھا اور صرف گزشتہ ماہ ہی امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے تیرہ افراد اور کمپنیوں پر ڈاکٹر خان کے نیٹ ورک میں ملوث ہونے کی بنیاد پر یہ کہہ کر پابندی عائد کی ہے کہ امید ہے اس سے 'مستقبل میں جوہری پھیلاؤ کی سرگرمیوں کو روکنے میں مدد ملے گی'۔ اس طرح جہاں ڈاکٹر خان اپنی رہائی کی خوشی منا رہے ہوں گے، واشنگٹن ان پر گہری نظر رکھے ہوئے ہوگا۔

●●

معاشی مندی اور اسلامک بینکنگ

سید زاہد احمد

افلاسِ مرکب کی داستان

دنیا بھر میں ۸۰ کروڑ سے زائد افراد شدید افلاس کے باعث دو وقت کی روٹی کا اہتمام بھی مشکل ہی سے کر پاتے ہیں۔ اس میں قصور کس کا ہے؟ کیا افلاس انسان کا مقدر ہے؟ کیا اس لعنت کو مکمل طور پر ختم کیا جاسکتا ہے؟ افلاس کے باعث معاشروں میں کون کون سی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں؟ ان سوالوں پر غور کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے جواب ملنے کی صورت میں کروڑوں افراد کی زندگی کا رخ تبدیل ہوسکتا ہے اور وہ بھی سکون سے جی سکتے ہیں۔ افلاس ختم کرنے کی کوششیں دنیا بھر میں جاری ہیں مگر اس حوالے سے منظم کوششوں کا فقدان واضح ہے اور پھر نیت کا فتور بھی ایسا نہیں کہ چھپایا جاسکے۔ چند خطوں کے نصیب میں تو جیسے پسماندہ رہنا ہی لکھ دیا گیا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک ان خطوں کے مفاد کے بارے میں سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ کروڑوں انسانوں کی زندگی خوراک کی قلت نے مستقل عذاب میں تبدیل کردی ہے مگر ان کے بارے میں پورے خلوص سے سوچنے والوں کی واضح قلت ہے۔ ہر گزرتا ہوا دن ان کی مشکلات میں اضافہ ہی کر رہا ہے۔ افلاس نے ایک ایسی منحوس گردش کی شکل اختیار کرلی ہے جس سے باہر آنا، بظاہر ایک ارب سے زائد افراد کے بس کی بات نہیں۔ افریقہ، لاطینی امریکہ اور جنوب مشرقی ایشیا میں افلاس کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا ہے۔

''اینڈنگ گلوبل پاورٹی: اے گائڈ ٹو وارٹ ورکز'' میں اسٹیفن سی اسمتھ نے اس نکتے پر بحث کی ہے کہ افلاس دراصل ایک جال کی مانند ہے۔ جو اس جال میں پھنس جائے اس کا پھنسے رہنا ممکن دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسٹیفن سی اسمتھ نے بارہ ایسی صورتہائے احوال کی توضیح کی ہے جن کو بہتر طور پر سمجھ پانے کی صورت میں انسان افلاس سے بہتر طور پر نپٹ سکتا ہے۔ ''اینڈنگ گلوبل پاورٹی'' سے اقتباسات ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ افلاس پیدا کرنے والی مختلف صورتہائے احوال سے آپ بہتر طور پر روشناس ہوسکیں۔

جب ہم کسی جال کی بات کرتے ہیں تو جال بچھانے والے کے بارے میں بھی سوچنا فطرتی امر ہوتا ہے۔ کوئی بھی جال خود بخود نہیں بچھ جاتا۔ کوئی کسی کے لئے جال بچھاتا ہے تو جال بچھتا ہے۔ افلاس کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ پسماندہ ممالک اپنے طور پر، اپنے حالات کے باعث ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ دنیا کی ریشہ دوانیوں کے باعث بھی افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں۔ روئے زمین پر ہر دور میں ایسا ہی ہوا ہے۔ علم اور فن میں ترقی نے ایسی روشن خیالی کبھی پیدا نہیں کی جس کے طفیل دنیا سے افلاس اور پسماندگی کا حقیقی خاتمہ ہو۔

کسی بھی دوسری صورتحال کی طرح افلاس کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔ دنیا میں کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل تلاش کیا جاسکتا ہو۔ افلاس کو ختم کرنے کے لئے اسے پیدا کرنے والے اسباب کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ دنیا میں ایسا کم ہی ہوا ہے کہ کوئی مسئلہ خود حل ہوگیا ہو۔ ہر مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ چند ممالک کی فقیدالمثال ترقی دراصل منصوبہ بندی اور اس پر عمل کا نتیجہ ہے۔ کسی بھی ملک نے محض حالات کی بدولت ترقی نہیں کی بلکہ حالات سے فائدہ اٹھانے کا انعام ترقی کی صورت میں ملا ہے۔ افلاس اور پسماندگی کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ کئی ممالک اپنے حالات درست کرنے پر توجہ نہیں دیتے اور دوسری طرف ترقی یافتہ ممالک ان کے حالات خراب کرنے میں جتے رہتے ہیں۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو دوہری دھار کے خنجر سے ذبح کیا جائے! جو ممالک افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں انہیں خود بھی سوچنا ہے اور دوسروں کی جانب سے اخلاص کے ساتھ مدد بھی درکار ہے۔ معاملات کو بگاڑنے میں بھی کچھ وقت نہیں لگتا۔

افلاس تمام حالات میں لعنت کی شکل میں اختیار نہیں کرتا۔ کسی بھی شخص، خاندان یا معاشرے میں افلاس محض عارضی حقیقت بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ بہت سے لوگ خراب صورتحال کو بہتر منصوبہ بندی اور جامع عمل کے ذریعے موافق حالات میں تبدیل کرلیتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی صورت میں افلاس یقیناً ایک لعنت کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کے خراب حالات کو درست کرنے کی مخلصانہ، شعوری کوشش نہ کی جائے تو ہر بگڑا ہوا معاملہ مزید بہت سے معاملات کو بگاڑتا چلا جاتا ہے۔ بیشتر معاشرے پسماندگی کے چنگل میں پھنس کر بدحواس ہوجاتے ہیں اور پھر ان کے معاملات میں عدم توازن کا تناسب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ افلاس کو توانا کرنے والے عوامل پر غور کیا جائے تو کوئی نہ کوئی حل دراصل خود مسئلے کی تہہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ افلاس کی طرف لے جانے والے حالات کون کون سے ہیں۔

☆ والدین اگر غیر صحتمند اور غیر ہنرمند ہوں اور گھر چلانے کے لئے مطلوب وسائل کا انتظام نہ کرسکیں تو بچوں کو بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ عالمی بینک کے مطابق دنیا بھر میں چودہ کروڑ سے زائد بچے والدین کی خراب صحت اور بے ہنری کے باعث کچھ نہ کچھ کمانے پر مجبور ہیں۔ ایسے بچے افلاس کے چکر سے نکلنے میں خاصی مشکلات محسوس کرتے ہیں۔

☆ بہت سے والدین بچوں سے کام نہیں کرواتے مگر وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوتے کہ انہیں اسکول بھیج سکیں۔ اسکول بھیجنے میں ناکامی دراصل خراب معاشی حالت کے ہاتھوں ہی ہوتی ہے۔ بچوں کو اسکول بھیجنے کے لئے اگر قرضہ لیا جائے تو سودا برا نہیں۔ تعلیم یافتہ اور ہنرمند بچے زیادہ کما کر والدین کا قرضہ چکانے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ مائیکرو کریڈٹ اسکیم سے افلاس زدہ گھرانوں کے بچوں کو تعلیم دلانے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ افلاس زدہ گھرانوں کو معمولی قرضوں کے حصول میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو واقعی پریشان کن بات ہے۔

☆ پسماندہ معاشروں میں افلاس زدہ گھرانوں کو روایتی طریقوں سے ایسے قرضے دیئے جاتے ہیں جن کی مکمل ادائیگی میں نسلیں بیت جاتی ہیں۔ دیہی اور پسماندہ شہری علاقوں میں موزوں مالیاتی اداروں کی عدم موجودگی میں انفرادی سطح پر دیئے جانے والے قرضے دراصل نسل در نسل برقرار رہتے ہیں۔ سود پر سود وصول کیا جاتا ہے یا دراصل وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ افلاس زدہ گھرانے اس قدر کما نہیں پاتے کہ مکمل سود ہی بروقت ادا کرسکیں۔ غیر ادا شدہ سود بھی اصل میں جڑتا چلا جاتا ہے اور قرضوں کے چکر سے نکلنا غریبوں کے لئے ممکن نہیں ہو پاتا۔

بھارت میں کروڑوں افراد مہاجن کے سود کی زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں۔ یہ بدنصیب لوگ زندگی بھر سود ادا کرتے رہتے ہیں اور قرضے پھر بھی ختم نہیں ہوتے۔ افریقہ اور امریکہ میں جس طرح غلاموں کو صرف زندہ رہنے کے لئے کافی سمجھے جانے والے مالی وسائل دیئے جاتے تھے، بالکل اسی طرح بھارت کے کروڑوں غریبوں کو بھی صرف زندہ رہنے دیا جاتا ہے تاکہ وہ مہاجن کا سود ادا کرنے کے لئے مزید کما سکیں۔ المیہ یہ ہے کہ اس نوعیت کے قرضوں کی زنجیر میں جکڑے ہوئے انسان جتنا زیادہ کماتے ہیں اتنا ہی زیادہ انہیں سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ مہاجن چاہتے ہیں کہ کوئی ان کا قرضہ ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہوسکے۔ اس معاملے میں آجروں سے ساز باز کرلی جاتی ہے تاکہ افلاس زدہ گھرانے زیادہ کمانے کے قابل ہی نہ ہوسکیں۔ یہ ''معاہدے کے ذریعے طے شدہ مشقت'' ہی کی ایک شکل ہے۔ جو لوگ مہاجن کے سود کا طوق اپنے گلے میں ڈال چکے ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی زندگی بھر غلام ہی رہتی ہے۔ مہاجن ایسے لوگوں کو علاقوں سے باہر بھی نہیں جانے دیتے۔ غیر سرکاری تنظیم ''فری دی سلیوز'' کے مطابق دنیا بھر میں مہاجن کے روایتی سودی قرضوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد کی تعداد دو کروڑ ۷۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ لوگ تقریباً غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

شدید افلاس سے دوچار اور غیر ہنرمند افراد دو وقت کی روٹی کا اہتمام کرنے کے لئے دوسروں سے زیادہ کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور انہیں اضافی مشقت کا کوئی معاوضہ بھی نہیں مل پاتا۔ ستم یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ذریعۂ آمدنی تبدیل کرنے کی صورت میں ان کی آمدنی میں اضافہ ہوسکتا ہے مگر وہ کوئی نیا ہنر سیکھنے اور ذریعۂ آمدنی تبدیل کرنے کے قابل ہو ہی نہیں پاتے۔

☆ قحط زدہ علاقوں میں لوگ پیٹ بھر نہیں کھا پاتے اور اس کے نتیجے میں ان کی کام کرنے کی صلاحیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ وہ بہتر ڈھنگ سے کام نہیں کر پاتے اور یوں پیٹ بھر کھانا حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق خوراک حاصل کرنے میں ناکامی صحت کی خرابی پر منتج ہوتی ہے۔ خراب موسمی حالات بھی انسان کو کمزوری کی طرف لے جاتے ہیں۔ سخت گرم اور مون سون والے خطے میں لوگ رات کو ٹھیک سے سو نہیں پاتے اور یوں ان کی کام کرنے کی صلاحیت کو زنگ لگتا جاتا ہے۔ استوائی خطوں میں گرمیوں اور برسات کے دنوں میں مختلف کیڑوں مکوڑوں کے باعث وباؤں کا پھوٹ پڑنا عام بات ہے۔

☆ اگر کسی علاقے میں آجر ہنرمند افراد کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو لوگوں میں نیا ہنر سیکھنے کی لگن دم توڑتی جاتی ہے اور دوسرے سرمایہ کاروں اور آجروں کو ان علاقوں میں ملازمت کے بہتر مواقع فراہم کرنا اس لئے زیادہ پرکشش دکھائی نہیں دیتا کہ ضرورت کے مطابق ہنرمند افرادی قوت مقامی طور پر میسر ہونے کا امکان خاصا محدود ہوتا ہے۔ آجر اور سرمایہ کار ان علاقوں میں اپنا کاروبار پھیلانے کو ترجیح دیتے ہیں جن میں ہنرمند افرادی قوت آسانی سے میسر ہو۔

☆ جن علاقوں میں شرح پیدائش بلند ہو وہاں ملازمت کے مواقع گھٹتے چلے جاتے ہیں۔ افلاس کے ہاتھوں لوگ کمتر اجرت بھی قبول کرلیتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں بیشتر افراد کے پاس زیادہ بچے پیدا کرنے کے سوا آپشن نہیں ہوتا۔ اگر زیادہ بچے ہوں گے تو ملازمت پانے کے کیا ب مواقع سے بہتر طور پر مستفید ہوا جاسکے گا اور کوئی نہ کوئی بچہ، بڑا ہو کر کسی نہ کسی طور والدین کو سکھ دے سکے گا۔

☆ بیشتر کسان گزارے کی سطح سے اس لئے بلند نہیں ہو پاتے کہ وہ دور افتادہ علاقوں کے لئے اضافی پیداوار حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور اگر ایسا کر بھی لیں تو انہیں دور افتادہ مارکیٹ کا اندازہ نہیں ہوتا۔ درمیانے تاجر اس معاملے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بیشتر پسماندہ معاشروں میں درمیانے تاجر غیر معیاری ہیں جس کے باعث ان کی کارکردگی لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کر پاتی۔

☆ غریب تر دیہی علاقوں میں لوگ خوراک کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے زمینوں کو حد سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ زرعی زمین کو گنجائش سے زیادہ استعمال کرنے کی صورت میں پیداواری صلاحیت کم ہوتی جاتی ہے، مگر زیادہ پیداوار حاصل کرنا ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ اگر کاشتکاری کے جدید طریقے ان علاقوں تک پہنچ بھی جائیں تو زرخیزی میں کمی کے باعث کسان اپنی زمینوں سے بہتر نتائج حاصل نہیں کر پاتے۔ قحط کی صورت میں دیہی علاقوں کے لوگ آئندہ فصل کے لئے بچائے جانے والے بیج کھا کر بھی گزارا کرتے ہیں۔

☆ تالاب، جھیلیں، جنگلات اور چراگاہیں سب کی ملکیت ہوتی ہیں۔ دیہی علاقوں میں خوراک کے حصول کے لئے ان مشترکہ املاک پر بھی دباؤ بڑھتا جاتا ہے۔ تالابوں، جھیلوں اور دریاؤں سے اگر مچھلی زیادہ پکڑی جائے تو ان کی تعداد اور پیداواری صلاحیت میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ جنگلات سے لکڑی حاصل کرنے کے لئے درخت کاٹنے کا سلسلہ پرجوش انداز سے جاری رہے تو زمین کا کٹاؤ بڑھتا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں قدرتی ماحول کا توازن بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ چراگاہوں سے اگر مویشیوں کو زیادہ مستفید ہونے دیا جائے تو ان کے سوکھنے اور بالآخر ویران ہوجانے کا امکان قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ مشترکہ اثاثوں اور وسائل کا بہتر نظم و نسق حکومت کی ذمہ داری ہے تاکہ آنے والی نسلیں ان سے بہتر طور پر مستفید ہوسکیں۔ آبی ذخائر کا اندھا دھند استعمال پورے ماحول کو شدید مشکلات سے دوچار کرتا ہے۔ کسی علاقے میں بڑے تالاب یا جھیل کے پانی اور اس میں پائی جانے والی مچھلیوں پر سب کا حق ہوتا ہے مگر اس حق سے مستفید ہونے کی کوئی نہ کوئی معقول حد ضرور مقرر کی جانی چاہئے۔

☆ سرمائے کی کمی بھی افلاس زدہ علاقوں کا مقدر تبدیل نہیں ہونے دیتی۔ چھوٹے پیمانے پر کام کرنے والے آجروں کے پاس سرمایہ اس قدر کم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پیداواری صلاحیت بہتر ڈھنگ سے بلند کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

☆ اور یہ تلخ حقیقت ایذا رسانی میں سب سے بڑھ کر ہے کہ افلاس کے ہاتھوں انسان زندگی بھر نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ لوگ جب یہ محسوس کرلیتے ہیں کہ افلاس کے خلاف جنگ جیتنا ان کے بس کی بات نہیں تو ان کے حواس بکھرنے لگتے ہیں اور ہر معاملے میں ان کی سوچ الجھتی چلی جاتی ہے۔ کسی بھی افلاس زدہ شخص کو شناخت کرنا زیادہ مشکل کام نہیں، کیونکہ وہ اپنے قول اور فعل سے اپنی مادی، روحانی اور نفسیاتی اصلیت کا پتہ دے دیتا ہے۔ شدید افلاس سے بے چارگی کا ایسا توانا احساس جنم لیتا ہے جس سے جان چھڑانا آسان نہیں ہوتا۔ افلاس کی شدت انسان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم کردیتی ہے۔

سود مرکب کی طرح افلاس بھی مزید افلاس کو جنم دیتا ہے اور انسان خود کو ذلت کے گڑھے میں محسوس کرتا رہتا ہے۔ بیشتر مفلس افراد اپنے آپ سے شرمسار سے رہتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انہیں ایسے لوگوں کی جانب سے بھی طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو خود بھی برے حالات کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی بھی انسان کے لئے اس سے زیادہ پریشان کن اور افسوسناک بات نہیں ہوسکتی کہ وہ اہلِ خانہ کو مطلوب مالیاتی وسائل فراہم کرنے میں ناکامی سے دوچار ہے جو شخص اپنی بیوی اور اولاد کو پیٹ بھر کھانا فراہم نہ کر پائے اس کی زندگی میں شدید نفسیاتی الجھنیں رہ جاتی ہیں جو ایک دوسرے کو پروان چڑھاتی رہتی ہیں۔ یہ الجھنیں ان میں بے چارگی اور غصے کو بھی پروان چڑھاتی چلی جاتی ہیں۔

افلاس سے مایوس کن حد تک دوچار علاقوں میں خواتین کی حالت زیادہ قابلِ رحم ہوتی ہے۔ وہ شدید بے چارگی میں مبتلا ہوتی ہیں۔ گھر کی چار دیواری میں انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور گھر سے باہر ان کے لئے بہتر معاشی مواقع کا فقدان ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

اہل جاپان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے

مولانا محمد رفیق قاسمی
سکریٹری جماعت اسلامی ہند کے دورۂ جاپان کی روداد

جاپان براعظم ایشیا کے مشرقی کنارے پر واقع ۱۴۵۸۸۳ مربع میل یا ۳۷۷۴۴۷ مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ملک ہے جس کی کل آبادی تقریباً تیرہ کروڑ ہے۔ کہنے کو تو یہاں تقریباً ۸۴ فیصد شنتو، بودھ اور دوسرے دھرموں اور مذاہب کے ماننے والے لوگ رہتے ہیں لیکن عملاً جاپانیوں کا کسی مذہب یا دھرم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما پر اور ۹ر اگست کو ناگا ساکی پر امریکہ کے ذریعے گرائے گئے ایٹم بموں کے نتیجے میں جاپانیوں نے ۱۴ر اگست کو امریکہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ لیکن اس وقت انھوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ اس تباہی و بربادی پر صف ماتم بچھانے اور نوحہ و مرثیہ پڑھنے یا آہ و فریاد اور شیون کرنے کی بجائے دنیا کے سامنے اپنا وجود مستحکم بنا کر دکھائیں گے۔ انھوں نے صنعتی ترقی اور انقلاب کا جھنڈا بلند کیا اور شب و روز کا ہر لمحہ اقتصادی و صنعتی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کردیا۔ ادھر ادھر دیکھنے، تفریحات یا غفلت میں وقت ضائع کرنے کی بجائے انھوں نے خود کو معاشی مشین بنالیا۔ امریکی ظلم و دہشت گردی کے بعد انھوں نے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کو اپنا مقصد حیات بنالیا۔

جاپان کے شمال میں روس اور مغرب میں جنوبی کوریا ہے۔ یہ چار اہم جزائر ہونشو، ہوکیڈو، کیوشو اور شکوکو پر مشتمل ہے۔ جاپان کے کل رقبہ کا ۲۸ فیصد زمین پر مشتمل اور ۷۲ فیصد پانی و پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں میں آتش فشاں بھڑکتے رہتے ہیں۔ آئے دن زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اس طرح زمین کی زبردست قلت ہے اور اس لئے جاپانی زمین کا استعمال بہت احتیاط اور ذمہ داری سے کرتے ہیں کہ ایک انچ زمین بھی بیکار ضائع نہیں ہونے دینا چاہتے۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں وہ بھی بجلی کے شمشان گھاٹ میں جس کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کی طرح زیر زمین شہر بسانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ وہاں رہنے والے مسلمانوں کو اپنے مردوں کو دفن کرنے کے لئے قبرستان کی جگہ دینے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ یہاں ۵۲ فیصد سے زیادہ لوگ شہروں میں رہتے ہیں۔ موٹر گاڑیاں، الیکٹرانک سامان، مشینی آلات اور کل پرزے، بحری جہاز، کیمیاوی اشیاء، ٹیکسٹائل اور مصنوعی غذا یہاں کی خاص مصنوعات ہیں ۔ چاول، چقندر کی شکر، سبزیاں اور پھل فروٹ و میوہ جات خاص پیداوار ہیں۔ ٹوکیو، راجدھانی اور اوساکا ناگویا، سپورو اور کیوٹو خاص شہر ہیں۔ جبکہ قابل کاشت زمین صرف گیارہ فیصد ہے۔ مچھلیوں کا پکڑنا بھی ان کی معیشت کا ایک اہم حصہ ہے۔ ۷۰ فیصد لوگ ملازمت پیشہ ہیں جن میں سے پچیس فیصد صنعتی اداروں میں اور پانچ فیصد زرعی میدان میں کام کرتے ہیں۔ فی کس آمدنی اوسطاً ۲۸ ہزار امریکی ڈالر سالانہ ہے۔

معاشی مشین بنے ہوئے انسانوں کے اس ملک میں تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان بھی آباد ہیں جن میں سے بیشتر کا تعلق پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور دوسرے ملکوں سے ہے۔ ایک معمولی تعداد مقامی مسلمانوں کی بھی ہے۔ مسلمانوں میں ۸۰ فیصد تجارت پیشہ اور بیس فیصد ملازمت پیشہ ہیں جو یہاں خاص طور سے حصول روزگار اور مال و دولت کمانے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بھی بیشتر کے دل و دماغ میں دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح اسلام کی دعوت اور تبلیغ و اشاعت کا کوئی تصور نہیں ہے البتہ ایک حد تک دیار غیر میں رہ کر مسلم تشخص اور باہم مربوط رہنے کی حد تک اتحاد کا خیال ضرور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت اپنے ممالک اور مسالک کی بنیاد پر تنظیمیں اور کمیٹیاں بنا رکھی ہیں جو باہم جوڑنے اور تعلقات کا بہرحال ایک ذریعہ ہیں۔ ان میں ایک تنظیم اسلامک سرکل آف جاپان بھی ہے جس کے ارکان تحریکی اور دعوتی جذبہ رکھتے ہیں۔ وہ ہر سال اپنے عہدیداروں اور ذمہ داروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس موقع پر ایک سالانہ پروگرام بھی کرتے ہیں جس میں مختلف ممالک سے تحریکات سے وابستہ تنظیموں و جماعتوں کے اہل علم و دانش کو مدعو کرتے ہیں۔ اس سال ان کا دعوت نامہ ملا تو ۱۶ر جنوری سے پندرہ دن کا ایک پروگرام طے کرلیا گیا تاہم مرکز جماعت اسلامی ہند کی کچھ وجوہ کی بنیاد پر یہ پروگرام مختصر کرکے اور ۲۴ر جنوری تک محدود کرکے واپس لوٹ آنا پڑا۔

اس سفر میں تیرہ پروگراموں میں شرکت کی۔ براہ راست بہت زیادہ مسلمانوں تک نہیں پہنچا جاسکتا تھا کہ جہاں پورے ملک میں بکھرے ہوئے اور قومی، لسانی و مسلکی لحاظ سے منتشر مسلمانوں تک ہم خود نہیں پہنچ سکتے تھے، دولت کمانے کے انہماک کی وجہ سے وہ لوگ بھی ان خالص اسلامی دینی قسم کے پروگراموں میں شرکت نہیں کرسکتے تھے تاہم اسلامک سرکل کے ذمہ داران نے اس وقت کا بھرپور استعمال کرنے اور دورے کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی مختلف قسم کی کوششیں اور تدبیریں کیں کہ جہاں دوسری تنظیموں اور مسلکوں سے تعلق رکھنے والے علماء کا تعارف خاص کر اس تنظیم اور مسلک کے لحاظ سے کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس تنظیم اور مسلک سے وابستہ لوگ ہی پروگرام میں شریک ہوتے اور بیٹھتے ہیں۔ اسلامک سرکل کے ذمہ داران ہر جگہ "مہمان" کا لفظ استعمال کرکے تعارف کراتے اور اعلان کرتے تھے۔ بھارت اور دہلی سے آئے ہوئے مہمان کے حوالے سے بلاامتیاز لوگ پروگرام میں شامل و شریک ہوجاتے اور بیٹھ کر اطمینان سے باتیں سن لیتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تمام پروگراموں کو انٹرنیٹ سے جوڑ کر رکھا گیا جس سے ملک بھر میں لوگ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی سنتے اور دیکھتے رہے۔

ڈھائی گھنٹہ کا ایک پروگرام صرف انٹرنیٹ پر ہوا جس پر ملک بھر سے لوگوں نے اپنے مسائل دیار غیر اور دین کے تعلق سے سوالات کئے۔ بعد میں پچاس سے زیادہ مقامات سے ٹیلیفون آئے کہ ہم نے اس پروگرام سے فائدہ اٹھایا۔ بہت سے لوگوں نے بعد میں ٹیلیفون پر سوالات کئے، بات چیت کی جن میں نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر، انجینئر اور دوسرے پیشوں سے وابستہ لوگ تھے بلکہ یونیورسٹیوں میں ریسرچ کرنے والے اسکالر بھی شامل تھے۔ انھوں نے اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خوشی کا اظہار کیا کہ انہیں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اتنی علمی باتیں معلوم ہوگئیں اور اتنے مسائل کے حل اور سوالات کے جوابات حاصل ہوگئے۔ کئی نے کہا ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں سوالات کرنے پر ڈانٹ یا جھڑک نہ دیا جائے۔ انھوں نے اس کو اسلامک سرکل آف جاپان کا احسان قرار دیا۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ جدید علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید ذرائع و آلات کو اس طرح اسلام کی تبلیغ و دعوت اور اشاعت کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ اس پروگرام سے بجا طور پر اس ذہن کو تقویت حاصل ہوئی کہ جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو دین کی دعوت فروغ اور تبلیغ و اشاعت کے لئے بہتر طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

پروگراموں میں تقریر کا فوراً دست راست ترجمہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ایک طرف انگلش سمجھنے والے لوگ بیٹھ جاتے تھے اور دوسری طرف جاپانی بولنے اور سمجھنے والے۔ تقریر اردو میں ہوتی اور ساتھ ہی ساتھ انگلش و جاپانی میں متعلقہ افراد ترجمہ بھی سنتے چلے جاتے۔ ہر پروگرام میں کھل کر ہر قسم کے سوالات کرنے کا بھی موقع دیا گیا۔ اس سے لوگوں میں زبردست دلچسپی پیدا ہوگئی کہ دوسرے پروگراموں اور علماء کے یہاں اس طرح کا موقع نہیں ہوتا۔ تو لوگ صرف یکطرفہ بیٹھ کر سن کر ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہوتے رہتے اور جمع رہتے ہیں یا تقریر و خطاب کے دوران پیدا ہوتے ہیں، ان کے حل یا ازالہ کی کوئی تدبیر نہیں ہوتی۔ اس طرح کی مختلف تدابیر سے پروگرام کو وسعت دینے اور مفید و موثر بنانے کی کوششیں کی گئیں اور پروگرام محدود نہیں رہا بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور ہر ایک تک اس کی رسائی ہوگئی۔ دیکھا یہ گیا کہ جاپان جانے والے مسلمانوں کا بالعموم واحد مقصد دولت کمانا ہوتا ہے جبکہ بالخصوص جاپان میں اسلام کی دعوت کے بہت زیادہ قوی اور روشن امکانات موجود ہیں جہاں جاپانیوں کے اندر معاشی مشین بن جانے کی وجہ سے اپنے اندر سست کرہ جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ان کے یہاں سادگی، شرافت اور اچھے اخلاق و عادات، انسانی احترام کے لئے اعلیٰ مقام پایا جاتا ہے۔ ان کے پاس خوش اخلاقی کے نام پر تفریح، ہنسی مذاق اور دل لگی کے لئے وقت نہیں ہے، لیکن وہ فطری طور پر نیک سیرت ہوتے ہیں اور کاروباری تقاضوں کے تحت بھی ہر آنے والے کا خوش اخلاقی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔ آپ کچھ خریدیں یا نہ خریدیں آپ کی مطلوب ہر چیز دکھانے کے بعد بھی ناگواری کا اظہار نہیں کریں گے اور جاتے وقت آپ کو عزت واحترام کے ساتھ خوش دلی سے رخصت کریں گے۔ آپ کی آمد کا شکریہ ادا کریں گے۔

وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تو دوسروں کے وقت کی قدر و قیمت کو بھی سمجھتے ہیں اور ہر کام ہر ممکن کم وقت میں پورا کردینا چاہتے ہیں کہ ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد بھی بڑی شائستگی کے ساتھ استقبال کریں گے۔ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ مہذب طریقے سے کاغذات لیں گے اور پھر آنے والے کو پریشان کرنے، چکر کاٹنے اور ادھر ادھر دوڑانے کی بجائے ایک جگہ بیٹھ جانے کے لئے کہہ کر سارے کام متعلقہ میزوں اور افراد کے پاس جاکر خود انجام دیں گے۔ ضروریات کی تکمیل کریں گے اور واپس آکر کاغذات حوالے کردیں گے۔

عملاً تو ان کے پاس دین، ایمان اور مذہب و عبادت کے لئے بھی وقت نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کو بہرحال ان اجری الا علی اللہ کے جذبے کے ساتھ اپنا فریضہ بطور داعی اسلام ملت کے فروکے ادا کرنا چاہئے، جاپان میں آباد مسلمانوں کے ذہنوں میں بالعموم دعوت اسلام کا کوئی تصور نہیں ہے۔ وہ اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ جاپانی زبان میں لٹریچر بھی تیار نہیں کیا گیا ہے۔ تقریباً تیس سال قبل قرآن کریم کا ایک ترجمہ محترم جناب عمر میتا نے کردیا تھا۔ چند اور کتابیں بھی لکھی یا ترجمہ کی گئی ہیں، لیکن اسلامی لٹریچر زیادہ نہیں ہے۔ ضرورت کے تقاضوں کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

مسلمان اپنی مسلکی تنگ نظریوں کی وجہ سے بھی اسلام کی تبلیغ اور لٹریچر کی تیاری کا کام نہیں کرپا رہے ہیں۔ ہند۔ پاک اور بنگلہ دیش سے آئے ہوئے مسلمانوں کے مختلف مسالک و نظریات رکھنے والے افراد میں بالعموم بقدر مشترک پائی جاتی ہے کہ وہ مسلکی اور نظریاتی اتحاد و اجتماعیت کی ترجیح دیتے ہیں جو اسلام کی دعوت، مسلمانوں کی اخوت اور اہل جاپان کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے اور قریب لانے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ دوسری طرف دولت کمانے کی دھن ہر وقت دماغوں پر چھائی رہتی ہے جس کی وجہ سے بہت سی پریشانیوں اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی تدفین جیسی ضرورت کے لئے قبرستان تک نہیں ہے۔ اگرچہ خود زمین، قلت کی وجہ سے بہت مہنگی ہے اس کا حصول آسان نہیں ہے، پھر بھی اگر تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم کی روح و تعلیم کے مطابق ہی سہی تمام اختلافات کے باوجود کچھ مشترک امور پر اتحاد کرلیا جائے تو بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں مثلاً وہاں ایک شخص کی اپنی ذاتی زمین ہے وہ بودھ دھرم کا ماننے والا ہے۔ وہ اپنی زمین میں قبر کھودنے اور مسلمانوں کو اپنی میتیں دفن کرنے کی اجازت دیتا ہے جس کے لئے بھرپور قیمت وصول کرتا ہے، اس طرح مسلمانوں کی تدفین پر کافی صرفہ آتا ہے۔ مختلف مواقع پر مختلف ممالک کی حکومتوں کی سطح پر بھی کوششیں کی گئیں، لیکن حکومت قبرستان کی خاطر زمین دینے کے لئے تیار نہیں ہے جبکہ مسجدوں کے لئے وہ قیمتاً زمین دے چکے ہیں۔ چنانچہ جاپان میں مختلف مقامات پر کئی بہت بڑی بڑی اور عالیشان مسجدیں موجود ہیں جن کو مسلمان کثیر المقاصد مراکز کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اندر اسلامک سنٹر ہیں۔ لائبریریاں اور میٹنگ ہال ہیں۔ بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم کے لئے بھی بعض مقامات پر انتظام کیا گیا ہے۔ انہی مساجد میں مردوں اور خواتین کے لئے الگ الگ نماز ادا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن قبرستان کے لئے تو بہت بڑی جگہ درکار ہوتی ہے جو اجتماعی طور پر ہی خریدی جاسکتی ہے۔ اگر مسلمان اجتماعیت اور اتحاد کی راہ اپنالیں تو اس طرح کے تمام مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ جبکہ جاپانی عوام یا حکومت کی طرف سے آئین و قانون کے حوالے سے کسی بھی سطح پر مسلمانوں کے مسئلے میں کوئی امتیاز یا تعصب نہیں پایا جاتا۔

اس دورہ کے دوران مسلمانوں کو منصوبوں کی ترجیحات کے ذیل میں توجہ دلائی گئی کہ وہ جاپانی باشندوں کے سامنے اسلام کا تعارف اور دعوت کا کام ترجیحی بنیاد پر انجام دیں۔ اس سال کو دعوت اسلامی کا سال قرار دے کر بڑے پیمانے پر کوششیں کریں، جاپانی زبان میں بڑے پیمانے پر لٹریچر تیار کریں اور ایسے افراد بھی تیار کریں، خود سرکل سے وابستہ افراد کو بھی توجہ دلائی گئی کہ وہ اسلام کا وسیع پیمانے پر اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ کریں۔ ہر لمحہ اور ہر مرحلے پر اپنا جائزہ لیتے رہیں، خود احتسابی کے ساتھ فکری تطہیر کا کام کریں۔ مسلکی بنیادوں پر پائی جانے والی انتشاری کیفیت سے بچیں اور اس کو حتی الامکان جلد از جلد ختم یا کم کرنے کی کوشش کریں۔ اپنی زندگیوں میں تضاد و تناقض سے احتراز کریں کہ کسب حلال کو مقصود بنائیں اور آخرت کی جوابدہی کی فکر کریں جس سے رضائے خداوندی کے حصول کے ساتھ ساتھ اہل جاپان پر بھی اچھا اثر پڑے۔ اسلامی سرکل کو بھی اسلامی نہج پر چلائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو اپنا مقصد حیات بنائیں اور اس نظریہ کے تحت جاپانیوں کے سامنے اپنا صاف و شفاف کردار اسلامی نمونے کے طور پر پیش کریں۔ قول و فعل کی مطابقت کا عملی مظہر بنیں جس سے فی الدنیا وفی الارض ہر دو جگہ حسنات میسر آئیں۔

نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے جو مخلصانہ اور سنجیدہ کوششیں ہونی چاہئیں، ان پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ مسجدوں کے لئے ائمہ سہ ماہی وزٹ ویزا پر جاپان بلائے جاتے ہیں جو ویزا کی مدت ختم ہونے پر تین ماہ بعد اپنے ملکوں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ ہر تین ماہ کے لئے امام آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اگر خود وہاں نوجوانوں کی اچھی تعلیم کا انتظام کرکے امام تیار کرلئے جائیں تو یہ پریشانی بھی ختم ہوجائے۔ کچھ جاپانی مسلمانوں سے بھی ملاقات ہوئی، لیکن زبان کا مسئلہ بہت بڑی دیوار بنا رہا۔ نوجوان احمد مانئو سے مل کر خوشی ہوئی جو حال ہی میں شام میں تعلیم حاصل کرکے لوٹے ہیں۔ دین اسلام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اور دینی دعوت کا جذبہ و لگن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کام لے لے۔ مسلمانوں کو بھی ایسے نوجوانوں کے ساتھ تعاون کرکے بھرپور کام لینا چاہئے۔ (گفتگو: عقیدت اللہ قاسمی)

مرکز کا ہفتہ وار پروگرام

ہم ایک عظیم نصب العین کے حامل اور داعی امت ہیں

نئی دہلی۔ ۷ر فروری کی شام یہاں مرکز جماعت اسلامی ہند کے کانفرنس ہال میں محترم قیم جماعت جناب نصرت علی کی زیر صدارت مرکز کا ہفتہ وار پروگرام منعقد ہوا۔ جناب اعجاز احمد اسلم سکریٹری جماعت نے موضوع اور مقرر کا تعارف کرایا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک اور اس کے ترجمے سے ہوا۔

اس موقع پر جناب انتظار نعیم اسسٹنٹ سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی حالت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ سب سے مشکل کام خود احتسابی ہے۔ اپنی کمیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چیک کرنا نفس پر بہت گراں گزرتا ہے اور ان خامیوں کی اصلاح کی فکر کرنا کار دشوار ہوتا ہے۔ ان خرابیوں کے زیر اثر جہاں ہمیں ایک طرف مختلف طرح کے انفرادی اور اجتماعی نقصان اٹھانے پڑتے ہیں، وہیں دوسری طرف ملک اور سماج میں بحیثیت امت مسلمہ ہماری شبیہ خراب ہوتی ہے۔ گوکہ ہم ایک عظیم نصب العین کے حامل گروہ اور ایک داعی امت ہیں جسے دنیا میں برپا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو خیر کی دعوت دے، بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں کو مٹائے، سماج کی اصلاح کا فریضہ انجام دے۔

اس ضمن میں انتظار صاحب نے مسلمانان ہند کے اندر پائی جانے والی مختلف اخلاقی خرابیوں، غلط رویوں، بدمعاملگی، ناشائستگی، دوسروں کی زمین جائداد اور املاک ہڑپنے سے لے کر خواتین میں بڑھتی فیشن پرستی کی وبا اور عریانی و فحاشی کے روز افزوں رجحان پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ بالخصوص فصیلی شہر دہلی کے اندر پائی جانے والی عام اخلاقی صورتحال پر اپنی کرب و بے چینی ظاہر کی۔ انھوں نے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے فلم انڈسٹری میں مسلمانوں کے کردار کا بھی نوٹس لیا اور کہا کہ اب سے بہت پہلے جب دلیپ کمار (یوسف خان) نے مشہور فلمی گانا "جب پیار کیا تو ڈرنا کیا" گایا تو بعض مسلمان گھروں کی لڑکیاں اپنے گھروں کے دروازے پر اس فلمی گانے کا بول لکھ کر گھر سے نکل گئیں۔

اس موقع پر انتظار صاحب نے ایک ایسے مسلمان شاعر کا بھی ذکر کیا جو جدہ (سعودی عرب) کے ایک اردو مشاعرے میں شرکت کرکے واپس تشریف لائے تھے، احباب نے جب ان سے خیریت پوچھی تو بتایا کہ سب کچھ ٹھیک رہا البتہ وہاں شراب نہیں ملی۔ اس سیاق میں موصوف نے مسلمان شعراء کی بے غل و غش شراب نوشی کی عام فضا پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ شراب وہ چیز ہے جسے اسلام نے نہ صرف یہ کہ اس کا پینا حرام قرار دیا ہے بلکہ اسے پینے کے لئے پیش کرنا اس کی خرید و فروخت اور نقل وحمل (ٹرانسپورٹیشن) بھی حرام ٹھہرایا ہے۔

مقرر نے سماج میں معروفات کے قیام اور منکرات کے ازالہ کے تعلق سے سماجی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ پروگرام کے اختتام پر جناب اعجاز احمد اسلم صاحب نے سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

(رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

شری رام سینا ملک کے لئے سنگین خطرہ

کولم۔ شری رام سینا کو ملک کے لئے زبردست خطرہ قرار دیتے ہوئے وزیر داخلہ پی چدمبرم نے کہا کہ مرکز اس تنظیم کی سرگرمیوں پر سخت نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ وزیر داخلہ نے امید کا اظہار کیا کہ کرناٹک حکومت تنظیم کے خلاف سخت کارروائی کرے گی۔ واضح ہو کہ حال ہی میں منگلور میں ہوئے پب حملے کے معاملے میں شری رام سینا کے کئی کارکنان سمیت سربراہ متالک کو بھی گرفتار کیا گیا تھا۔ وزیراعلیٰ یدیورپا نے اس معاملے کی انکوائری کا بھی حکم دیا تھا۔ مسٹر چدمبرم نے کہا کہ یہ اندیشہ ہے کہ شری رام سینا ملک میں بدامنی پھیلانے میں ملوث رہی ہے۔ وزیر داخلہ نے صحافیوں سے کہا کہ شری رام سینا ملک کے لئے خطرہ ہے اور مرکز اس تنظیم کی سرگرمیوں کی نگرانی کررہا ہے۔ تنظیم کی مذمت کرتے ہوئے وزیر داخلہ نے کہا کہ کوئی بھی تنظیم خود ساختہ فورس نہیں بن سکتی، نہ ہی وہ پولیس فورس کا کام کرسکتی ہے۔ اس کی قطعی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ 'سینا' پہلے ہی اپنی سرحدوں کو پار کرچکا ہے۔

انھوں نے کہا کہ وہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی کو کیا پہننا چاہئے، کیا کھانا چاہئے اور کہاں جانا چاہئے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا مرکز تنظیم کو ممنوعہ قرار دے گا، انھوں نے کہا کہ ہمیں یہ دیکھنے دیجئے کہ کرناٹک حکومت اس معاملے پر کیا رویہ اختیار کررہی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وزیراعلیٰ یدیورپا تنظیم کے خلاف سخت کارروائی کریں گے، جیسا کہ انھوں نے وعدہ کیا ہے۔

ارشاد اور معارف کی رہائی

نئی دہلی۔ تہاڑ جیل میں بند دو نوجوان ارشاد علی اور معارف قمر کی رہائی پر فیصلہ عدالت نے تیرہ تاریخ تک کے لئے محفوظ کرلیا ہے۔ واضح رہے کہ ان دونوں افراد کو پولیس نے البدر کے دہشت گرد کے طور پر ۲۰۰۵ء میں گرفتار کرکے جیل بھیج دیا تھا لیکن بعد میں سی بی آئی انکوائری میں یہ ثابت ہوگیا کہ پولیس نے ان کو سازش کے طور پر پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ سی بی آئی نے انہیں پھنسانے والے پولیس والوں کے خلاف بھی کارروائی کرنے کی سفارش کی ہے۔

دوسری ریاست میں ریزرویشن کا فائدہ نہیں

نئی دہلی۔ دہلی ہائیکورٹ نے کہا ہے کہ ایک ریاست کے درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لوگ دوسری ریاستوں میں ملازمت کے سلسلے میں ریزرویشن کا فائدہ حاصل کرنے کے دعویدار نہیں ہوسکتے۔

مایا کوڈنانی کی ضمانت کو چیلنج

احمد آباد۔ گجرات میں ۲۰۰۲ء میں گودھرا معاملے کے بعد ہوئے فسادات کے سلسلے میں ریاستی وزیر مایا کوڈنانی اور سابق وشو ہندو پریشد کے لیڈر جے دیپ پٹیل کو زیریں عدالت سے ملی ضمانت کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کرنے کیلئے خصوصی تفتیشی ٹیم نے گجرات حکومت سے اجازت مانگی ہے۔ خصوصی تفتیشی ٹیم کے سربراہ آر کے راگھون نے کہا کہ زیریں عدالت کی ضمانت کی ہدایت کو چیلنج دینے کیلئے ہم نے ریاستی حکومت کے محکمہ قانون سے اجازت مانگی ہے۔ انھوں نے کہا کہ زیریں عدالت کی ہدایت کو چیلنج دینے کیلئے ریاستی حکومت سے اجازت لینا ایک عام بات ہے۔ ہم منظوری کا انتظار کررہے ہیں، جیسے ہی ہمیں منظوری ملے گی، ہم گجرات ہائی کورٹ میں اپیل کریں گے۔

مولانا فضیل احمد قاسمی کا انتقال

نئی دہلی۔ معروف عالم دین اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا فضیل احمد قاسمی ۱۰ر فروری ۲۰۰۹ء کو اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔ مرحوم طویل عرصے سے بیمار تھے۔ ۱۹۵۲ء میں بیرواچندر پور مہاراج گنج یوپی میں پیدا ہوئے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ بیت العلوم میں حاصل کی تھی، پھر دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تھی۔ ان کے والد مولانا مجیب اللہ صوفی بھی عالم دین تھے۔ مولانا فضیل احمد قاسمی ایک عرصے تک جمعیۃ علماء ہند کے صدر دفتر میں سکریٹری رہے، بعد میں بعض اختلافات کے باعث اس سے علیٰحدگی اختیار کرلی اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے نام سے نئی تنظیم بنائی جس کے تاحیات جنرل سکریٹری رہے۔ اس کے علاوہ وہ مختلف مدارس کے سرپرست، جامعہ اردو علی گڑھ کے چانسلر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ ممبر تھے۔ پسماندگان میں والدہ، بیوہ، ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔ ان کی پہلی نماز جنازہ دفتر مہدیان دہلی میں ہوئی اور تدفین آبائی وطن اڈہ بازار مہاراج گنج یوپی میں ہوگی۔ ان کے انتقال پر علماء، دانشوروں اور مختلف تنظیموں کے عہدیداران نے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔

دعوت

کا **اگلا شمارہ** (۱۶ر فروری ۲۰۰۹ء)

امریکہ، نئے صدارتی انتخاب کے بعد

کے **جائزے** پر مشتمل ہوگا جس میں ان سوالات کا جواب تلاش کیا جائے گا کہ امریکہ کو درپیش اندرونی اور بیرونی چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں بارک حسین اوبامہ کس حد تک کامیاب ہوں گے؟ بھارت۔ امریکہ تعلقات پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ دہشت گردی مخالف مہم کے سلسلے میں ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور مسلم دنیا میں امریکہ کی شبیہ کو درست کرنے اور مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے ان کا کیا فارمولہ ہوگا؟

تحریکی ادب

نیچریت کی تاریخ

مغربی فلاسفہ اور مغربی سائنسدانوں نے جب سفر شروع کیا تو اگرچہ ان کا رخ خدا پرستی کے بالکل مخالف سمت میں تھا تاہم چونکہ وہ مذہبی ماحول میں گھرے ہوئے تھے اس لئے وہ ابتداء نیچریت (Natuaralism) کو خدا پرستی کے ساتھ نباہتے رہے۔ مگر جوں جوں وہ اپنے سفر میں آگے بڑھتے گئے، نیچریت خدا پرستی پر غالب آتی چلی گئی حتیٰ کہ خدا کا تخیل اور خدا کے ساتھ اس چیز کا تخیل جو عالم طبیعت سے بالاتر ہو، ان سے بالکل غائب ہوگیا اور وہ اس انتہا پر پہنچ گئے کہ مادہ و حرکت کے سوا کوئی شئے ان کے نزدیک حقیقی نہ رہی، سائنس نیچریت کا ہم معنی قرار پاگیا اور اہل حکمت و فلسفہ کا ایمان اس نظریہ پر قائم ہوگیا کہ ہر چیز جو ناپی اور تولی نہیں جاسکتی اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ مغربی فلسفہ و سائنس کی تاریخ اس بیان کی شاہد ہے۔ ڈیکارٹ (Descartes) (متوفی ۱۶۵۰ء) جو مغربی فلسفہ کا آدم سمجھا جاتا ہے، ایک طرف تو خدا کا زبردست قائل ہے اور مادہ کے ساتھ روح کا مستقل وجود بھی مانتا ہے مگر دوسری طرف وہی ہے جس نے عالم طبیعت کے آثار کی توجیہ میکانکی (Mechanical) طریق پر کرنے کی ابتداء کی اور اس طریق فکر کی بنیاد رکھی جو بعد میں سراسر مادہ پرستی (Materialism) بن گیا۔ ہابس (Hobbes) (۱۶۷۹ء) اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر فوق الطبیعت (Super Nature) کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے، نظام عالم اور اس کی ہر شئے کو میکانکی توجیہ کے قابل قرار دیتا ہے اور کسی ایسی نفسی یا روحی یا عقلی قوت کا قائل نہیں ہے جو اس مادی دنیا میں تصرف کرنے والی ہو، مگر اس کے ساتھ ہی وہ خدا کو بھی مانتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ ایک ایسی علت العلل کا ماننا ایک عقلی ضرورت ہے۔ اسی زمانے میں سپائنوزا (Spinoza) (م ۱۶۷۷ء) اٹھا جو سترہویں صدی میں عقلیت (Rationalism) کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ اس نے مادہ، روح اور خدا کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا، خدا اور کائنات کو ملا کر ایک کل بنا دیا اور اس کل میں خدا کے اختیار مطلق کو تسلیم نہ کیا۔ لائبنیز (Leibnitz) (م ۱۷۱۶ء) اور لاک (Locke) (م ۱۷۰۴ء) خدا کے قائل تھے، مگر دونوں کا میلان نیچریت کی جانب تھا۔ یہ سترہویں صدی کا فلسفہ تھا جس میں خدا پرستی اور نیچریت دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں، اسی طرح سائنس نے بھی سترہویں صدی تک کامل الحاد کا رنگ اختیار نہیں کیا۔ کوپرنیکس (Copernicus) کپلر (Kepler) گیلیلو (Galileo) نیوٹن اور سائنس کے دوسرے علمبرداروں میں سے کوئی بھی خدا کا منکر نہ تھا۔ مگر یہ کائنات کے اسرار کی جستجو میں الٰہی نظریہ سے قطع نظر کرکے ان قوتوں کو تلاش کرنا چاہتے تھے جو اس نظام کو چلا رہی ہیں اور ان قوانین کو معلوم کرنے کے خواہشمند تھے جن کے تحت یہ نظام چل رہا ہے۔ یہ الٰہی نقطۂ نظر سے قطع نظر کرنا ہی دراصل اس دہریت اور نیچریت کا تخم تھا جو بعد میں حریت فکر کے درخت سے پیدا ہوئی لیکن سترہویں صدی کے حکماء کو اس کا شعور نہ تھا۔ وہ نیچریت اور خدا پرستی میں کوئی خط امتیاز نہ کھینچ سکے اور یہی سمجھتے رہے کہ یہ دونوں ایک ساتھ نبھ سکتی ہیں۔

اٹھارہویں صدی میں یہ حقیقت نمایاں ہوگئی کہ جو طریق فکر خدا کی ہستی کو نظرانداز کرکے نظام کائنات کی جستجو کرے گا وہ مادیت، بے دینی اور الحاد تک پہنچے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس صدی میں جان ٹولینڈ، ڈیوڈ ہارٹلے، جوزف پریسٹلے، والٹیر، میٹری، ہول باخ، کیبانیس، ڈینس ڈائیڈیرو، مانٹسکو اور ایسے ہی دوسرے آزاد خیال فلاسفر و حکماء پیدا ہوئے جنھوں نے یا تو علانیہ خدا کے وجود سے انکار کیا یا اگر بعض نے اسے تسلیم کیا بھی تو اس کی حیثیت ایک دستوری فرمانروا سے زیادہ نہ سمجھی جو نظام کائنات کو ایک مرتبہ حرکت میں لے آنے کے بعد گوشہ نشیں ہوگیا ہے اور اب اس نظام کے چلانے میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

(تنقیحات: از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

”سیاسی اسلام“ مغرب کیلئے خطرہ......!

ابوسعید

◎

سوویت یونین کے بعد مغرب جس اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھنے لگا، وہ ”سیاسی اسلام“ ہے جس کا احیاء بیسویں صدی کے عظیم مفکرین سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سید حسن البناء شہید اور سید قطب شہید نے کیا اور جس کی عملی تعبیر کے لئے اس وقت دنیائے اسلام میں ان مفکرین اسلام کی فکر سے متاثر اسلامی تحریکیں عمل پیرا ہیں۔ مکہ کے کفار کہا کرتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمارہے ہیں وہ سچ ہے، لیکن وہ صرف اس لئے اس پر راضی نہیں کہ اسے ماننے سے ان کی خدائی چلی جائے گی۔ مغرب کی استعماری عمارت جن ستونوں پر کھڑی ہے وہ اتنے کمزور ہوچکے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اسلام کے نظام مملکت کے کامیاب مظاہرے سے گرسکتے ہیں۔ اس استعماری عمارت میں سب سے زیادہ پیسہ یہودیوں کا لگا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اسلام کا عادلانہ سیاسی نظام قائم ہو۔ اس مقصد کے لئے یہودیوں کی طرف سے ایک بڑی منظم مہم جاری ہے۔ اس مہم کو کامیاب کرانے کے لئے جن ذرائع کا استعمال کیا جارہا ہے ان میں ایک ذریعہ ان کا پسندیدہ میڈیا بھی ہے۔ اس کے علاوہ ریسرچ اور Open discussion کے نام سے بھی ایسی کوششیں جاری ہیں جن میں اسلام کے سیاسی نظام کے خلاف پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ اسلامی نظام حکومت یا سیاسی اسلام کس طرح مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے بحث کے ایک ایسے سلسلے کے احوال درج کئے جارہے ہیں جس کا اہتمام تو ایک مسلمان ملک کی فاؤنڈیشن کرتی ہے، پیسہ بھی وہی خرچ کرتی ہے تاہم اس کے ادارتی اختیار برطانیہ کے نشریاتی ادارے بی بی سی کے ایک سابق رپورٹر اور انٹرویو کے پاس ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ٹم سبسٹیئن کو اس بات کا بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ ان مباحث میں گفتگو کے لئے کس کو دعوت دیں اور کن موضوعات کو موضوع بحث بنائیں۔ ”دوحہ مباحث“ (Doha Debates) کیا ہیں، اس کے بارے میں ہمیں دوحہ مباحث کی آفیشل ویب سائٹ یہ معلومات دیتی ہے کہ دوحہ مباحث کا مقصد ”تنازعات اور تشدد کے علاقے میں الفاظ کی طاقت کو ترقی دینے کے لئے ذہنوں کو تبدیل کرنا، تنازعات کا پھر سے جائزہ لینا اور نئے حل پیش کرنا“ ہے۔

ویب سائٹ کے مطابق ”دوحہ مباحث“ عرب دنیا کے بڑے سیاسی موضوعات سے متعلق متصادم نظریات اور دلائل کے لئے ایک میدانِ جنگ فراہم کرتے ہیں جو کہ ایک منفرد اقدام ہے۔ لکھا گیا ہے کہ ”جب کہ دنیا بھر کی حکومتیں آزادیٔ صحافت پر قدغن لگارہی ہیں، دوحہ مباحث مشرق وسطی کے اہم ایشوز کو کھل کر اپنے لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں اور عالمی ٹی وی پر پیش کرتے ہیں۔ بہت سارے عرب نوجوانوں کو اپنی زندگی میں پہلی دفعہ بنیادی سیاسی سوالات پر اپنی رائے دینے اور سیاست دانوں اور ماہرین کو منہ پر چیلنج کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ان مباحث نے نوجوانوں کو اس علاقے میں باوقار اختلاف میں مصروف کیا ہے جہاں ہتھیار ہی الفاظ ہوا کرتے ہیں۔“

۱۸ر جنوری ۲۰۰۹ء کو ”یہ ہاؤس سمجھتا ہے کہ سیاسی اسلام مغرب کے لئے خطرہ ہے“ کے عنوان سے دوحہ مباحث میں پیش کی گئی قرار داد ۴۹ کے مقابلے میں ۵۱ فیصد حاضرین نے مسترد کردی۔ اس قرار داد کو حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے دوحہ مباحث کے چیئرمین ٹم سبسٹیئن نے کہا کہ ”سیاسی اسلام کا ایشو غزہ کی پٹی میں حماس اور اسرائیل کے درمیان جاری کشیدگی کے باعث توجہ کا مرکز بنا ہے۔“

قرارداد کے حق میں حزب تحریر کو منظم کرنے کے الزام میں مصر میں چار سال تک قید رہنے والے پاکستانی نژاد ماجد نواز اور اٹلی کے امام یحییٰ پالاویسی نے گفتگو کی۔ بی بی سی کی اسکرین پر ماجد نواز کے نام کے ساتھ خصوصی طور پر سابق اسلام پسند لکھا گیا۔ ماجد نواز نے سب سے پہلے موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا کہ ”سیاسی عمل میں شریک مسلمانوں“ اور ”سیاسی اسلام“ میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ مصری جیل میں اچانک خیالات کے یوٹرن کے شکار ماجد نواز نے کہا کہ ”ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں کو سیاسی عمل میں حصہ نہیں لینا چاہئے یا اس سے دور رہنا چاہئے، کیونکہ ہم سب مسلمان اس عمل میں شریک ہیں، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ”اسلام ازم“ جس کا ایک خاص ایجنڈا ہے، اور جو سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اسلام کا استعمال کرتا ہے وہ مغرب کے لئے خطرہ ہے۔“ ۱۴ سال تک اسلامی نظام خلافت کی تبلیغ کرنے والے پر یہ بھی عیاں ہوا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے اسلام کو بطور جذباتی ہتھیار کے استعمال کرنا ناقابل قبول ہے ”کیوں کہ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف ایک مذہب کے بجائے ایک سیاسی نظام ہے وہ دین کے لئے کچھ اچھا نہیں کررہے ہیں۔“

اپنی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا ”میں ۱۴ سال کے لمبے عرصے تک حزب تحریر کے ساتھ رہا اور پاکستان اور ڈنمارک میں اس کو قائم کرنے میں مدد دی۔ بعد میں مجھے مصر میں چار سال تک قید رکھا گیا۔ دوران قید مجھے احساس ہوا کہ ریڈیکل اسلام کا نظریہ گمراہ کن سوچ تھی۔ میں نے روایتی اسلام پر عمل کرنا شروع کیا جو مذاہب کو سیاست سے خارج کرتا ہے۔ وہ لوگ جو فرقوں کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرتے اور ان کو انسانیت دشمن بنانا چاہتے ہیں ان کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آنا ہوگا۔“

امام یحییٰ پالاویسی نے ماجد نواز کی حمایت کرتے ہوئے کہا ”لوگوں کو ”برین واش“ کرنا ان کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام کا استعمال نہ صرف مغرب بلکہ مشرق، مسلمانوں، عالمی برادری اور تمام ادیان کے پیروکاروں کے لئے خطرہ ہے۔“

اسلام پسندوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے انہوں نے کہا ”وہ لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ یہ سب مسلمانوں کے مفاد میں کرتے ہیں، ان کے عمل کا کوئی جواز اس لئے نہیں کیوں کہ یہ مذہبی جواز کے بجائے دلیل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ اسلام ازم کی اپنی گمراہ کن سوچ کے مطابق غیر انسانی طریقے اختیار کرتے ہیں، طالبان کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے افغانستان کے بامیان میں گوتم بدھ کے مجسمے گرائے تھے۔“

قرار داد کے حق میں بات کرنے والوں کا جواب دیتے ہوئے برطانیہ سے تعلق رکھنے والی صحافی سارہ جوزف نے کہا ”ہم اپنے مذہب کے سیاسی نظریے سے کیوں متاثر نہ ہوں؟ میں سمجھتی ہوں اسلام کے پاس بتانے کے لئے بہت کچھ ہے، یہ میری ذاتی زندگی اور سیاست کے بارے میں میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور آخر ہم کیوں مذہب اور سیاست کو نہ ملائیں جب کہ مغرب کی دیگر سیاسی جماعتیں ایسا کرتی ہیں؟“ سارہ جوزف نے بتایا ”مجھے ان لوگوں سے کوئی پریشانی نہیں جو اسلام اور سیاست کو ملاتے ہیں۔“

سارہ جوزف نے کہا ”سیاسی اسلام کے بارے میں جو ہنگامہ برپا کردیا گیا ہے اس کا نوٹس لیا جانا چاہئے۔ یہ لوگوں کے درمیان غیر ضروری خوف پیدا کررہا ہے۔ سیاست اور مذہب نے معاشروں میں اہم کردار ادا کیا اور ان دونوں کے ملاپ کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔“

سارہ جوزف نے کہا ”ہمیں مشہور ہندوستانی رہنما گاندھی جی کے یہ الفاظ نہیں بھولنے چاہئیں ”وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کو سیاست سے الگ کیا جاسکتا ہے وہ مذہب کے معنی سے ناواقف ہیں۔“ سارہ جوزف نے یاد دلایا کہ (سیاسی اسلام کا مخالف پادری) بشپ ڈیسمنڈ ٹوٹو بھی اپنے وطن کے لوگوں کی آزادی کے لئے مذہب کا استعمال کرتا ہے؟“

”کچھ لوگ اپنے مقاصد کے لئے مذہب کا استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پوری مسلمان برادری اور اسلام اس کا قصوروار ہے۔ آیئے ہم ایک دہشت گرد کو صرف دہشت گرد کہیں اور یہ نہ دیکھیں کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔“

ماجد نواز کے سوالات کا سخت نوٹس لیتے ہوئے شادی حامد نے مصر، اُردن کے اخوان المسلمون، پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتوں اور ترکی کی جسٹس پارٹی کی مثال دی کہ وہ مغرب کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ”ان تنظیموں نے تشدد کا راستہ ترک کرکے سیاسی اصولوں کو اپنایا ہے۔ انہوں نے اپنے ملکوں کے عوام کے مینڈیٹ کو جیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حماس اور حزب اللہ جیسے گروہ بھی مغرب کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔“ اگرچہ قرار داد مسترد کردی گئی تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمان حاضرین کی ایک بڑی تعداد نے اس کے حق میں بات کی اور ووٹ دیا۔

تجزیہ

کسی بھی موضوع پر بات کرنا، رائے عامہ بنانا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ بحث سے مسائل کے حل کی راہیں کھلتی ہیں۔ لیکن بحث کون کررہا ہے، کہاں کررہا ہے، بولنے والے کا پس منظر کیا ہے۔ انتظام کون کررہا ہے، کن موضوعات پر بات ہوتی ہیں اور کن موضوعات پر نہیں ہوتی۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کے جواب تلاش کرنا ضروری ہوتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد یورپ اور امریکہ میں جتنے قرآن پاک ہدیہ کئے گئے اتنے پہلے نہیں کئے گئے۔ اللہ رب العزت مغرب کی شیطانی چالوں میں خود انہی کو پھنساتا ہے، اس پر وہ قادر ہے۔ دوحہ مباحث مسلمان ممالک خصوصاً عرب ممالک میں خیر کا سبب بنتے ہیں یا شر کا باعث، اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ تاہم ہم اس مضمون کے آخر میں یہ ضرور جاننا چاہیں گے کہ:

☆ آخر مسلمان ملک کی ایک فاؤنڈیشن کے پیسوں سے ہونے والے مباحث کے موضوعات اور مہمانوں کے چناؤ پر اس فاؤنڈیشن یا حکومت قطر کا کوئی اختیار کیوں نہیں ہے؟

☆ کیا ٹم سبسٹیئن کو یہ Editorial independance بی بی سی میں حاصل تھی؟ کیا دنیا بھر میں کوئی ایسا پروڈیوسر ہے جس کو اپنے پروگرام کا اختیار ہی نہ ہو؟

☆ ان مباحث کا اہتمام کرنے والی قطر فاؤنڈیشن اور رینڈ کارپوریشن کے درمیان کیا تعلق ہے؟ ایجوکیشن سٹی میں دونوں کے درمیان جس تحقیقی پروجیکٹ پر کام ہورہا ہے اس میں رینڈ کارپوریشن کو کتنا اختیار حاصل ہے؟

☆ ماجد نواز کے نام کے ساتھ دانشور، فاؤنڈیشن کا ڈائریکٹر لکھنے کے بجائے سابق اسلام پسند لکھنے کا کیا مقصد ہے؟

☆ ان مباحث میں وقت کے سب سے بڑے ایشو صہیونیت پر بات کیوں نہیں ہوتی؟

یہ چند سوالات ہیں۔ ایسے بہت سارے سوالات ہیں جو جوابات کے متقاضی ہیں، ان کے درست جواب ملنے پر ہمیں اپنی رائے سے رجوع کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ ●●

ٹم سبسٹیئن

ٹم سبسٹیئن دوحہ ڈیبیٹس کے بانی چیئرمین ہیں۔ وہ وارسا، ماسکو اور واشنگٹن میں بی بی سی کے نمائندے رہے ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے ۲۵ سے زائد ممالک میں ۳۰ سال تک بی بی سی کے لئے رپورٹنگ کی ہے۔ ان کو بی بی سی کے پروگرام ہارڈ ٹاک سے شہرت ملی جس کی وجہ سے ان کو رائل ٹیلی ویژن سوسائٹی نے دو دفعہ انٹرویور آف دی ایئر چنا۔ اس کے علاوہ ان کو سوسائٹی ٹیلی ویژن جرنلسٹ ایوارڈ اور برٹش اکیڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ماڈرن لینگویجز میں بی اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ٹم آٹھ ناولوں اور دو غیر افسانوی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

قطر فاؤنڈیشن

دوحہ مباحث کو شروع کرنے والی قطر فاؤنڈیشن ایک نجی، چارٹرڈ اور غیر منافع بخش تنظیم ہے جس کو ۱۹۹۵ء میں قائم کیا گیا اور جس کی سربراہ موزاہ بنت نصرال مسند ہیں۔ ویب سائٹ کے مطابق فاؤنڈیشن اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ عوام کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں جن کی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے ایسے سینٹرز قائم کئے گئے ہیں جہاں پروگریسو تعلیم، تحقیق اور کمیونٹی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے تحت دوحہ کے مضافات میں ایک ایجوکیشن سٹی قائم کی گئی ہے جہاں دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں کے کیمپس کے علاوہ رینڈ، قطر پالیسی انسٹی ٹیوٹ اور قطر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پارک بھی قائم ہے۔

دوحہ مباحث کس کی پیشکش ہے؟

دوحہ مباحث کے چیئرمین بی بی سی کے ایوارڈ یافتہ نمائندہ خصوصی اور انٹرویور ٹم سبسٹیئن ہیں جنہوں نے ۲۰۰۴ء میں ان مباحث کو شروع کیا اور ان کا پورا ایڈیٹوریل کنٹرول حاصل کیا۔ اگرچہ ان مباحث کو قطر فاؤنڈیشن فار ایجوکیشن، سائنس اور رکمیونٹی ڈیولپمنٹ فنانس کرتی ہے، تاہم کوئی حکومت، سرکاری ادارہ یا براڈ کاسٹر اس بات کا کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ یہاں کیا بولا جائے گا اور کس کو بلایا جائے گا۔ بالفاظ دیگر ٹم سبسٹین ہی اس بات کے مختار ہیں کہ ان مباحث میں کن موضوعات کو موضوع بحث بنایا جائے گا اور کس کو بلایا جائے گا۔ بی بی سی ورلڈ نیوز ان مباحث کو سال میں آٹھ دفعہ نشر کرتا ہے۔ ان مباحث کا فارمیٹ ایک صدی پرانا اور مشہور آکسفورڈ یونین کا شروع کردہ ہے۔ ان میں ایک متنازعہ قرار داد پر دو شریک حق میں جب کہ دو مخالفت میں دلائل دیتے ہیں۔ شرکاء کے دلائل مکمل ہونے کے بعد چیئرمین ہر شریک سے سوال کرتا ہے اور پھر حاضرین اس میں حصہ لیتے ہیں اور آخر میں الیکٹرونک طریقے سے ووٹنگ ہوتی ہے۔ پروگرام میں ۳۵۰ حاضرین شامل ہوتے ہیں۔ ویب سائٹ کے مطابق اکثریت کا خیال ہے کہ مسلمان انتہا پسندی کے خاتمے میں ناکام ہوئے ہیں۔ دوحہ مباحث میں بل کلنٹن، شمعون پیریز، عمرو موسیٰ، ایاد علاوی، ڈاکٹر محمد البرادی، حماس کے اہم رہنما ڈاکٹر محمود زہار کے ساتھ خصوصی نشستوں کا اہتمام کیا جاچکا ہے۔ خصوصی مباحث میں چار شرکائے گفتگو کے بجائے ایک فرد سے میزبان اور حاضرین سوال پوچھتے ہیں۔

عقدِ اجارہ (Wage contract)

(مفتی) محمد جعفر ملی رحمانی، اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر

تاجر، صنعت کار اور زمیندار کو مزدور کی اور مزدور کو روزگار کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان دونوں کی ضرورت روزگار فراہم کرتی ہے، اور یہ خدائی نظام ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ”دنیوی زندگی میں ہم نے ان کی روزی تقسیم کررکھی ہے۔ اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ (سورۃ الزخرف: ۳۲) انسانی ضرورتوں کا ایک دوسرے سے مربوط ہونا ہی عقد اجارہ کے جائز ہونے کی بنیاد ہے، جیسا کہ فقہ کا قاعدہ ہے ”حاجة الناس أصل في شرع العقود.“ (لوگوں کی حاجت معاملات کے جواز کی بنیاد ہے) (المبسوط للسرخسی، ۱۵/ ۷۵) کسی زمانے میں مزدور کو مظلوم تصور کیا جاتا تھا، کیونکہ وہ کمزور اور ضرورتمند تھا، اس لئے اس کے حقوق کا استحصال کیا جاتا تھا، مگر انقلاب روس کے بعد یہ صورت حال یکسر بدل گئی اور عالمی پیمانے پر مزدوروں نے اپنی اپنی تنظیمیں اور یونینس بنالیں، اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ جب مزدور اپنی یونین کے ذریعے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ہڑتال کرتے ہیں تو کارخانہ دار تالہ بندی کا حربہ استعمال کرتے ہیں اور اس ہڑتال وتالہ بندی کی وجہ سے عام لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے کہ ان کو ان کی ضرورت کی چیزیں بروقت دستیاب نہیں ہوتیں۔ یا بہت مہنگی خریدنی پڑتی ہیں۔ اس غیر مناسب صورت کا علاج کرنے اور سرمایہ ومحنت کے تنازعہ کا حل نکالنے اور آجر (Employer) واجیر (Employee) کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے انسانی بستی کے دانشوروں، داناؤں اور ماہرین معاشیات نے جو کوششیں کی ہیں، اور اقوام متحدہ (The united nation) کے زیر نگرانی عالمی ادارہ محنت کا قیام عمل میں آیا اور اس کے تیار کردہ قوانین محنت پوری دنیا میں خواہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم، نہ صرف رواج پذیر ہیں، بلکہ ان کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔ مگر ان قوانین سے بجائے اس کے کہ مالک ومزدور کا یہ تنازعہ ختم ہوتا کچھ زیادہ ہی الجھ گیا، جس کی وجہ سے ان چارہ گروں کی نادانی ہے، جو دل درد کا علاج پنڈلی پر پٹی باندھ کر کرنا چاہتے ہیں۔

مالک اور مزدور کے اس تنازعہ کا حل

اسلام دین فطرت ہے، اس کا قانون محنت واجرت اخوت وبھائی چارہ پر مبنی ہے، دین نام ہے خیر خواہی کا اور جذبہ خیر خواہی زندگی کے ہر میدان میں ضروری ہے (۱) جب کہ آج مالک ومزدور دونوں اس جذبہ سے عاری اور خود غرضی ومفاد پرستی کی ذہنیت کے مالک ہیں، مالک یہ چاہتا ہے کہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ کام لے، پیداوار زیادہ کرے، زیادہ سے زیادہ نفع کو یقینی بنائے، اور مزدور یہ چاہتا ہے کہ کام چوری کرے، کارخانہ کی پیداوار خواہ کچھ بھی ہو، مجھے میری اجرت زیادہ سے زیادہ ملے، دونوں کی یہی خود غرضانہ، مفاد پرستانہ ذہنیت ہے جو سرمایہ دار کو مزدوروں کے حقوق استحصال پر اور مزدوروں کو انتقامانہ بغاوت پر اُبھارتی ہے۔ اسلام نے مالک اور مزدور کے مابین خوشگوار تعلقات بنے رہیں اس کے لئے کچھ بنیادی احکام دیئے ہیں۔

مزدوروں کے حقوق:

مالک ومزدور، آقا وغلام، کاشتکار وزمیندار، ہیڈ ماسٹر وٹیچرس، منتظم واساتذہ سب انسانی حقوق میں یکساں اور برابر ہیں (۱) فریق اول کو اپنے آپ کو برتر اور فریق ثانی کو کمتر سمجھنے کا کوئی حق نہیں۔ فریق اوّل چونکہ اپنے آپ کو برتر اور فریق ثانی کو کمتر تصور کرتا ہے اور اس کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھتا ہے جو اس بات کا تاثر دیتا ہے کہ میں برتر ہوں اور آپ کمتر، یہیں سے آپسی تنازعات واختلافات شروع ہوتے ہیں، اور اس مشن کی ترقی یا تو رک جاتی ہے یا وہ ختم ہی ہوجاتا ہے، جو دونوں کے لئے میدان عمل ہے، کاش کہ ہم آپ کی اس تعلیم پر عمل پیرا ہوتے: ”تمہارے غلام، خادم، ملازم، مزدور تمہارے بھائی ہیں، لہٰذا تم میں جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے اور اس کو ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو اور کبھی ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔ عن المعرور بن سوید قال: لقیت أباذر بالربذ وعلیه حلة وعلی غلامه حلة فسألته عن ذالک فقال: أني ساببت رجلاً فعیرته بأمه فقال لي النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: یا أباذر! أعیرته بأمه؟ إنک امرأفیک جاهلیة، إخوانکم خولکم جعلهم اللّٰه تحت أیدیکم فمن کان أخوه تحت یده فلیطعمه مما یأکل ولیلبسه مما یلبس ولا تکلفوهم مایغلبهم فإن کلفتموهم فأعینوهم. (صحیح البخاری، ۱/ ۹، کتاب الایمان، باب المعاصی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے درج ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے: (۱) مالک ومزدور آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے خادم، نوکر اور ملازم کے ساتھ نہ صرف برابری بلکہ بھائیوں کا سا سلوک کرنا چاہئے۔ (۲) جو مالک کھائے اور پہنے وہ اپنے ملازم ونوکر کو کھلائے اور پہنائے، یعنی آپ جس معیار کی زندگی گزارتے ہیں نوکر بھی اسی معیار کا حق دار ہے، مزدوروں کا حق مار کر مالک کو عیاشانہ اور امیرانہ زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یا تو مالک نوکر کو اس قدر اجرت دے کہ وہ بھی مالک کے معیار زندگی گزار سکے، اور اگر یہ ممکن نہیں تو مالک اپنی معیار زندگی کو اس سطح تک نیچے لے آئے جس سطح تک وہ اپنے مزدور اور ملازم کی معیار زندگی کو بلند کرسکتا ہے۔ (۳) مزدور کو ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا، یہیں سے مزدور کے اوقات کار کی تعیین کا اصول مستنبط ہوتا ہے، کہ ایک عام انسان ایک دن میں یا ایک ہفتہ میں کس حد تک اور کتنے گھنٹے کام کرسکتا ہے، جو اس کی صحت پر اثر انداز نہ ہو، اور نہ ہی اس کو اپنی ضرورتیں اور اس کے لواحقین ومتعلقین کی ضرورتیں متاثر ہوں۔

زائد محنت کا معاوضہ:

(۴) اگر کوئی کام وہ نہ کرسکتا ہو تو اس سے یہ کام نہ لے اور اگر ضرورت ہے تو خود اس میں اس کا ہاتھ بٹاؤ، یہ اخلاق کا بلند تر درجہ ہے، جس میں مالک کی بالادستی وبرتری کے تصور کا ایک حد تک علاج بھی ہے، اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اس کام کے لئے آدمی بڑھادے، اور اگر کسی کام کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اسی دن پورا کرنا ضروری ہے اور مزدور بھی اس کے تکمیل پر راضی ہے تو اس کو زائد وقت کا معاوضہ دیا جائے۔

مزدور اور غلام کی عزت نفس:

مالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ملازم ونوکر کی عزت نفس کا پورا خیال رکھے، اس کو ایسے القاب والفاظ سے نہ بلائے جس سے اس کی عزت نفس پر زد پڑتی ہو، حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک دفعہ حضرت بلال کو ان کی ماں سے عار دلائی تو آپؐ نے حضرت ابوذر سے فرمایا کہ اے ابوذر! تو نے اس کو اس کی ماں سے عار دلائی، تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت باقی ہے۔

مزدور کی اجرت کی فوری ادائیگی

آج کل مالک اپنے مزدوروں اور ملازموں سے کام لے لیتے ہیں اور اجرت کے لئے انہیں چکر کٹواتے ہیں جو سراسر ظلم وزیادتی ہے، سے سرکاری ادارے اس ظلم کے مرتکب ہیں، آپؐ کا ارشاد ہے ”مزدور کو اس کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو“ بعض مزدور نادہندہ مالک کے بار بار چکر کٹوانے کی وجہ سے اپنی اجرت چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ مالک اس کو مال غنیمت سمجھ کر استعمال کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، آپؐ کا ارشاد ہے ”حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کی خلاف خود مدعی بنوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر دھوکہ دیا، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھالی، تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے محنت تو پوری لی مگر اس کی مزدوری نہ دی۔“

مزدور کی اُجرت کتنی ہو؟

مزدور کو اتنی اجرت دینی چاہئے جس سے اس کی ضروریات پوری ہوسکیں، اور بہتر یہ ہے کہ ان ضروریات کا معیار وہی ہو جو خود مالک کا ہو۔ ویسے شرعاً وہ مقدار اجرت بن سکتی ہے۔ جس پر وہ دونوں فریق راضی ہوں، لیکن ایسا نہ ہو کہ فریق اوّل، فریق ثانی کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اس کو اجرت کم دے، یا فریق ثانی فریق اوّل کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اجرت زیادہ لے، کیوں کہ ایسا کرنا تعلیمات شرعیہ کی خلاف ورزی ہے۔ الأجرة مایلزم به المستأجر عوضاً عن المنفعة التي یتملکها، وکل ما یصلح أن یکون ثمناً في البیع یصلح أن یکونه أجرة في الإجارة، وقال الجمهور: إنه یشترط في الأجرة مایشترط في الثمن. (۱/ ۲۶۳، الإجارة) ●●

عالمی معاشی بحران پر ڈیووس اجلاس کی اہمیت

اکرام سہگل

ڈیوس میں عام طور پر ڈبلیو ای ایف (WEF) کے سالانہ اجلاس کے ہفتے برف کا طوفان آتا ہے لیکن اس مرتبہ ڈیوس میں شدید سردی کا سبب موسم نہیں تھا۔ بلکہ دنیا کی معیشت انحطاط پذیر تھی۔ اس مرتبہ سابق اجلاس میں شرکت کرنے والی اہم شخصیات اور میزبان ممالک کی کچھ شخصیات بھی موجود نہیں تھیں۔ ان غیر حاضر شخصیات میں وہ بھی ہیں جو بین الاقوامی معاشی انحطاط کے باعث معاشی ذمہ داری سے فارغ کردی گئیں۔ معروف غیر حاضر شخصیات میں میرل لنچ (Merril lynch) کے جان تھائن، جو اپنی ملازمت سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے، سٹی گروپ کے چیف ورم پنڈت سوالوں کی یلغار کے خوف سے شرکت کرنے نہیں آئے تاہم ان تمام وجوہ کے باوجود تجارتی دنیا کے کچھ اہم لیڈر اپنے سربراہان اور حکومتی نمائندوں کے ساتھ اس اجلاس میں شامل ہوئے، ان میں چین کے وزیر اعظم وین جیاباؤ، روسی لیڈر ولادی میر پوتن، برطانیہ کے گورڈن براؤن اور دیگر چوٹی کے اکیڈمکس موجودہ معاشی بحران پر گفتگو کرنے اور اس کے حل کے لئے جمع ہوئے۔ سارے شرکاء کم از کم اس بات پر تو ضرور متفق تھے کہ ”خبر اچھی نہیں آرہی ہے۔“ یہ بھی خیال پایا جاتا ہے اور سال ۲۰۰۹ء بہت سخت معاشی اعتبار سے گزرے اور معاشی تنزلی کا گراف ۲۰۱۰ء کے وسط تک یا اس کے بھی کچھ بعد تک گراوٹ کا شکار رہے گا یہی خبر درحقیقت تیسری دنیا کے لئے بہت بری خبر ہے۔

ورلڈ اکنامک فورم کے ایک سیشن کے ماڈریٹر ہارورڈ کے ڈیوڈ شیپرو تھے، اس سیشن کا عنوان Crisis to prevent "all costs" تھا۔ سیشن کے شرکاء میں گیرتھ ایوان، گراہم ایلیسن، کشور محبوبانی، لیلیا شیوتسو اور لیوس ماریتو اور کیمپو تھے جنہوں نے دنیا کو معاشی طور پر آنے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ اجلاس میں بہت سے چیلنجوں پر تبصرے کئے گئے۔ ان میں سے چند مسائل جن کا دنیا کو سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ یہ ہیں بین الاقوامی اداروں کی پاور شیئرنگ کے ساتھ موثر گلوبل گورننس۔ امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان عالمی تجارت پر اعتماد سازی، دوسری طرف چین اور بھارت کے درمیان۔ پاکستان اور بھارت بلکہ اسرائیل کو بھی این پی ٹی کا پابند بنانا۔ (عرب لیگ کے سکریٹری جنرل امر موسیٰ نے تمام نیوکلیئر اراکین سے بھرپور اس سلسلے میں اپیل بھی کی ہے) انٹرنیشنل کرمنل کورٹ کی تشکیل اور اس کو موثر بنانا، اقوام متحدہ کے معاہدوں کی گرفت مضبوط بنانا، اس طرح کہ اگر کسی بھی ملک میں اگر انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتو اقوام متحدہ اس میں مداخلت کرسکے۔ فورم کے بعض شرکاء نے دہشت گردی کے بنیادی اسباب کو دور کرنے پر بھی زور دیا۔

دوسرے سیشن میں انٹرنیشنل لیبر موبیلٹی کے سلسلے میں ایک انجمن کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا نام ایسوسی ایشن آف انٹرنیشنل موبیلٹی (AIM) رکھا گیا۔ ”ورلڈ اکنامک برین اسٹارمنگ“ کے سیشن میں بڑے نازک سوالات موجودہ معاشی بحران پر اٹھائے گئے تین اہم سوالات پر غور کیا گیا تو جو انتہائی ضرر رساں پالیسی کی غلطی، ریگولیٹری ناکامی اور حقیقی مارکیٹ کی ناکامی سے متعلق تھے۔ شرکاء نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ناکامی کا سارا ملبہ شخصیات پر ڈالنا درست نہیں بلکہ غیر مناسب معاشی طرز عمل اختیار کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی ہونی چاہئے، جس میں جیل کی سزا بھی شامل کی جانی چاہئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح دیگر شعبوں میں لوگوں کو ان کی مجرمانہ حرکات وغفلت پر سزائیں دی جاتی ہیں۔

ڈیوس میں دولت مندوں کے کلب میں جہاں تمام دنیا کے دولت مند ودولت سے دولت کمانے کے خواہش مند ہوتے ہیں، ایک کلب میں شامل نظر آتے ہیں۔ ہمیں ڈیوس میں یہی نہیں اور بھی بہت کچھ دیکھنے کو ملا۔ ڈیوس میں ورلڈ لیڈر کیوں آئے تھے؟ وہاں ہمیں ٹونی بلیئر اور جرمنی کی انجیلا مرکل بھی نظر آئیں۔ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بان کی مون بھی اسرائیل کے غزہ پر تباہ کن حملوں پر مضطرب نظر آئے۔ ڈیوس کی صورتحال میں ایک دھماکہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب ترکی کے وزیر اعظم غزہ میں اسرائیلی حملے سے تباہ وبربادی پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اجلاس کا بائیکاٹ کرکے واپس ترکی چلے گئے۔ ان کے واک آوٹ سے قبل اردگان اور اسرائیلی صدر شمعون کے درمیان سخت کلامی بھی ہوئی تھی۔

چین کے وزیر اعظم نے ڈیوس اجلاس کی مقصدیت پر روشنی ڈالی۔ یہ سالانہ اجلاس عالمی بحران کے باعث خصوصی اہمیت کا حامل بن گیا تھا جس میں مختلف ملکوں کے حکومتی لیڈر، کاروباری طبقے کے ماہرین اور اسکالروں کو بین الاقوامی مالی استحکام کے کئی امکانات پر غور کرتے نظر آئے۔ پوری دنیا کی

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 11 February 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

۱۳ر فروری ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)
POSTAL REGISTRATION No.

کیا آنیوالے انتخابات میں مسلمان اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں گے

ڈاکٹر سید عبدالباری

آنے والے پارلیمانی انتخابات کی پرشور و طوفان خیز موجیں مسلمانوں کے سیاسی شعور کی کشتی کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور اب دیکھنا ہے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ بقول اردو صحافی عزیز برنی (مدیر راشٹریہ سہارا) تازہ صورتحال اس بات کا واضح اشارہ دیتی ہے کہ مسلمان اب سیاسی اعتبار سے بہت حد تک بیدار ہو چکا ہے مگر مشکل ہے کہ اس کی بیداری کو صحیح سمت دینے والی بے لوث، اولوالعزم و بلند ہمت قیادت سامنے نہیں آرہی ہے۔ مسلمان ملک کی سیاست میں ایک باوقار مقام حاصل کرنے کی خاطر بے چین ہے مگر افسوس کہ اس خواب میں رنگ بھرنے والے جیالے، دور اندیش اور ایثار و قربانی کے پیکر کہیں دور دور تک نظر نہیں آرہے ہیں۔ بدقسمتی ہے کہ اب سیاست بے کردار، بے ضمیر، بے شعور اور بڑی حد تک جرائم پیشہ و اوباش انسانوں کی پناہ گاہ بن چکی ہے۔ اس سیاہ کوٹھری میں سب کے ہاتھ کالے ہو چکے ہیں اور زیادہ تر لوگ دولت کا انبار لگانے اور اپنے گروہی، طبقاتی اور ذات و برادری کے مفادات کے حصول کی خاطر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی کی کنجی بھی سیاست کے عفریت بے زنجیر کے ہاتھوں میں ہے اور اس سے کنارہ کش بھی شترمرغ کی طرح طوفان سے بچنے کے لئے ریت میں گردن گاڑ دینے کے مترادف ہے۔

جب ملک آزاد ہوا تھا اس وقت سیاست بلند نصب العین اور اعلیٰ اصولوں کے حامل افراد کا محور تھی۔ ہماری قومی زندگی میں اور خود ہماری ملت کے منظرنامہ پر ایسے ایسے شریف النفس اور بلند سیرت و کردار کے افراد موجود تھے جن کی دلکش یادیں اب بھی ہمارے سینے میں محفوظ ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی اور حسرت موہانی سے لے کر نچلی سطح تک بے شمار مخلص قائدین ہماری سیاسی زندگی میں موجود تھے۔ کانگریس کے اندر اور کانگریس سے باہر مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں میں بڑے دلیر و جرأتمند رہنما موجود تھے۔ سید محمود گرچہ کانگریس میں شامل تھے مگر انھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے برملا شکایت کی تھی کہ مسلمانوں کو دوسرے درجے کے شہری کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل، ایک بڑا کارنامہ تھا جس میں ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی، بدرالدجیٰ، سلیمان سیٹھ، صلاح الدین اویسی جیسے قدآور قائدین کے ساتھ سید ابوالحسن علی ندوی، ابواللیث اصلاحی، یوسف صدیقی، محمد مسلم جیسے دانشور، مفکرین رہنما اور صحافی بھی موجود تھے۔ مسلم لیگ نے جنوب میں، اتحادالمسلمین نے وسط ہند میں اور مسلم مجلس نے شمالی ہند میں سیاسی بیداری کو ایک رخ عطا کیا تھا اور کانگریس کے اس نشے کو چکنا چور کر دیا کہ مسلمان اس کا ووٹ بینک ہیں جنھیں وہ اس فریب میں مبتلا کرکے اپنے دباؤ میں رکھے رہے گی کہ جن سنگھ و فاشسٹ ہندو تنظیموں سے نجات انہیں صرف کانگریس کے سائے میں حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۹۷۵ء میں ملک میں اندرا گاندھی نے ایمرجنسی نافذ کی مگر ہندوستانی جمہوریت اور اس کے دستور کی بقا کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سے بلند حوصلہ اور صاحب کردار رہنما سامنے آئے۔ جے پرکاش نرائن کی قیادت میں خوف و دہشت کے ماحول سے نبرد آزما ہونے کی کوششیں ہوئیں۔ مسلمانوں میں جماعت اسلامی ہند، مسلم مجلس، مسلم لیگ و اتحادالمسلمین نے ملت کو اٹھ کھڑا ہونے کا حوصلہ عطا کیا۔ جنتا پارٹی کے ساتھ مسلم قیادت نے بھرپور تعاون کیا اور ملک کے رخ کو ڈکٹیٹرشپ سے جمہوریت کی طرف موڑ دیا۔ مگر افسوس کہ فرقہ پرست قوتوں نے بابری مسجد کے خلاف تشدد کا ماحول پیدا کیا تو کانگریس ان قوتوں کے سامنے جھکتی گئی اور مسجد کے انہدام کا اندوہناک سانحہ پیش آیا۔ اس وقت مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی کوشش کے لئے ایک نیا پلیٹ فارم ملی کونسل کے عنوان سے قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نے ملک کے معتبر رہنماؤں کے ساتھ مل کر بنایا۔ اس پلیٹ فارم سے ملت کے دستوری حقوق کی بحالی، ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور ملک کی سیاسی و اجتماعی زندگی میں انہیں باوقار مقام دلانے کی کامیاب کوششیں کی گئیں۔ نئی صدی کے آغاز میں گجرات میں مسلمانوں کے قتل عام کا ہولناک سانحہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے مرکز میں سنگھ پریوار کی حکومت کو ختم کرنے اور جمہوری طاقتوں کو مستحکم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں مگر افسوس جو نئی حکومت یو پی اے کی قیادت میں بنی اور جس کا سربراہ اقلیت کا ایک فرد تھا بین الاقوامی سطح پر مغربی طاقتوں کی اسلام اور مسلمانوں کی تذلیل و تاراجی کی خوفناک پالیسی میں اس کا معاون بن کر کھڑا ہو گیا اور پڑوسی مسلم ممالک سے زیادہ اسرائیل سے دوستی کی پینگیں بڑھانے اور اس کی اسلام دشمن حرکتوں کی تائید کرنے کا موقف اختیار کیا۔ اس وقت یہ حکومت انتخابات کے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ دوسری طرف ملک کے جمہوری کردار اور انسانی مساوات و انسانی حقوق کے پاسبان دستور کو پیروں سے روند کر ہندو راج کے قیام کا خواب دیکھنے والی بی جے پی لالچ بھری نگاہ سے وزارت عظمیٰ کی کرسی کی طرف دیکھ رہی ہے۔ ملک میں بدقسمتی سے کوئی تیسرا محاذ نہیں بن سکا جو کانگریس کی نحوست اور بی جے پی کے فاشزم سے ہندوستانی عوام کو نجات دلا سکے۔ بعض صوبوں میں کانگریس کے خاصے متوازی اور فراخدل وزرائے اعلیٰ موجود ہیں مگر مرکز میں وزارت داخلہ اور وزارت خارجہ کے نہایت تنگ نظرانہ مغرب نواز اور ملک کی فرقہ پرست طاقتوں کو خوش رکھنے کے مزاج کی وجہ سے عوام بڑی کشمکش میں ہیں کہ کیا راہ اختیار کریں۔

مسلمانوں کے لئے بجا طور پر یہ سوال کہ اس صورتحال کو تبدیل کرنے کے لئے کیا راہ عمل اختیار کریں بے حد فکر انگیز ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے نوجوانوں کو ملک کی خفیہ ایجنسیاں اور پولیس مسلسل مبتلائے اذیت کئے ہوئے ہیں۔ آر ایس ایس کے فرقہ وارانہ زہر میں بجھی ہوئی ملک کی سیکورٹی ایجنسیاں ہیں جن میں مسلمان ایک دو فیصد بھی نہیں ہیں۔ کھلے عام مسلمانوں کو ہر طرح کے حربے اختیار کرکے فنا کے گھاٹ اتارنے پر کمربستہ ہیں۔ کانگریس کے طویل دور اقتدار میں خاموشی سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے سے صفایا کرنے کی پالیسی کے نتیجے میں جو بدحالی اس ملت پر مسلط ہوئی ہے وہ سچر کمیٹی کی رپورٹ سے عیاں ہے۔ ایسی صورت میں انتخابات کے موقع پر مسلمان اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے بیس فیصد ووٹوں کے ذریعے شریف، ایماندار، انصاف پسند اور حق پرست انسانوں کو کامیاب بنا سکیں۔ مگر مسلمانوں کی اس سیاسی بیداری کا ایک تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی ایسی قدآور قیادت موجود نہیں جو ان کی شیرازہ بندی کر سکے اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر فریدی، ابراہیم سلیمان سیٹھ اور صلاح الدین اویسی کی طرح قوم کی کسی واضح لائحہ عمل پر رہنمائی کر سکے۔ بدقسمتی سے اس وقت جگہ جگہ علاقائی سیاسی گروپ وجود میں آ رہے ہیں۔ ان میں زیادہ تر مخلص لوگ ہیں مگر مشکل ہے کہ سب خود کو قائد اعظم تصور کرتے ہیں۔ ان میں کچھ سیاسی طالع آزما قسم کے لوگ بھی ہیں جو ملک و ملت کی تعمیر سے زیادہ کرسیوں کے حصول اور مناسب ذریعہ معاش تک رسائی کو اپنا مدعا تصور کرتے ہیں۔ افسوس کہ ابھی تک چند اہم اور مشترک نکات پر اتفاق رائے نہیں اور نہ مل بیٹھنے کی خواہش ہے۔ مگر عوام سیاسی تفریق و انتشار اور طالع آزمائی کی ہر کوشش سے متنفر ہیں اور انہیں بہرحال مخلص انسانوں کی تلاش ہے۔ شاید ملک و ملت کے مقدر کو بدلنے کی عوام کے اندر بے پناہ خواہش کی وجہ سے ان کی علاقائی سطح پر ابھرنے والی لیڈرشپ کو باہم متحد ہونے کی راہ پر گامزن بنا سکے۔ اس وقت پارلیمنٹ کی کرسی تک ہر قیمت پر رسائی کے خواہاں لوگ ملک میں ذات برادری کے بل پر قائم سیاسی جماعتوں سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہیں اس کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں مگر مسلمان اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کہ ملک کی ذات برادریوں کے بل پر ابھرنے والی قیادت مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے سے زیادہ خود اپنی ذاتوں کے مفادات کی پاسبانی میں غرق ہو رہی ہے۔ کچھ باشعور سیاسی قائدین میں یہ خیال ابھر رہا ہے کہ مسلمانوں کی براہ راست نمائندگی کی راہ ہموار کرنی ہوگی اور ان کا خود اپنے بل پر یا ال کے انہی کی طرح کے مظلوم طبقات سے مفاہمت کے ذریعے براہ راست پارلیمان پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ وہ ملک کی قومی جماعتوں کے سامنے کشکول گدائی لے کر جانے اور پارلیمنٹ تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کرنے والوں کی بے دست و پائی اور کبھی کبھی ضمیر فروشی کا مسلسل نظارہ کرتے رہے ہیں۔ اسرائیل کے سلسلے میں حکومت ہند کے غلامانہ طرز عمل کے باوجود وزارت خارجہ سے متعلق ایک مسلم لیگی مسلم وزیر کی بے ضمیری اور بے غیرتی کو دیکھ کر پورے ملک کا مسلمان کڑھتا رہا ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں جو بیداری ہے اور محروم طبقات کی جو ہمدردیاں ان کو حاصل ہو رہی ہیں اس کے بل پر اگر ملک کی مسلم سیاسی قیادت قومی جماعتوں کی گداگری کے بجائے خود اپنے چند ہی نمائندے پارلیمنٹ تک پہنچا سکے تو یہ ایک نئے دور کا آغاز ہوگا اور بڑی حد تک مسلمانوں کے اندر پائے جانیوالے ان پیشہ ور مسلم سیاسی طالع آزماؤں کے منہ پر ایک طمانچہ بھی ہوگا جو محض اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مسلمانوں کی سیاسی قیادت کے نام پر ان کی آبرو کا سودا اپنے عالیشان ٹھکانوں میں بیٹھ کر کرتے رہے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ بیداری کی نئی لہر ایسے مخلصین جواں مردوں کو منظر عام پر لائے گی جو مسلمانوں کی موجودہ سیاسی انتشار کو دور کرکے ان آرزوؤں کی تکمیل اور ان کے خوابوں میں رنگ بھرنے کی ایماندارانہ جدوجہد کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوسکیں گے۔ ●●

بقیہ: آخری سفر کی تیاری

غسل کی نیت کرکے بسم اللہ پڑھ لیں۔

وضو:

پہلے میت کے ہاتھ دھوئیں (ہر عمل تین تین بار اور دائیں طرف سے شروع کریں) پھر گیلی روئی یا کپڑا دائیں سے بائیں پھیرتے ہوئے ہونٹوں کے اندرونی حصے اور دانت صاف کریں اور ہونٹوں کو ہلکا سا دباتے ہوئے منہ کو بند کر دیں، اسی طرح گیلی روئی نچوڑ کر ناک اور کانوں کو نرمی سے صاف کریں اور صاف روئی ناک اور کانوں میں لگا دیں جسے غسل کے بعد نکال دیا جائے گا۔ اس کے بعد چہرہ دھوئیں، پھر پہلے دایاں ہاتھ اور پھر بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھوئیں اور سر کا مسح کریں۔ آخر میں پہلے دایاں پھر بایاں پاؤں دھوئیں۔

☆ سر کو صابن یا شیمپو سے دھوئیں، دائیں جانب سے غسل کرائیے، دائیں بازو سے پانی ڈالنا شروع کریں۔ دائیں پیر تک پھر ہلکی کروٹ دلاکر پچھلا دایاں حصہ بھی دھولیں۔ ☆ یہی عمل بائیں طرف دہرائیں، غسل کا پانی طاق اعداد میں بہائیں، تین، پانچ، سات مرتبہ۔ آخری مرتبہ خوشبو (کافور) ملا ہوا پانی ڈالیں۔ حضرت ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تین بار، پانچ بار اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ بار غسل دو، حضرت ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، طاق عدد میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور آخری بار کچھ کافور بھی ملا دینا، پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا، جب ہم فارغ ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا تہبند پھینک کر فرمایا:

”یہ اندر (اس کے بدن پر) لپیٹ دو، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کو تین حصے کرکے کنگھی کی اور پیچھے ڈال دیئے“۔ (صحیح بخاری)

☆ اب چادر جو گیلی ہو چکی اسے نکال کر خشک چادر ڈال دیں اور نیچے بھی ایک چادر بچھا دیں، اب تولیہ سے جسم اور بال صاف کرلیں، کنگھی بھی کی جاسکتی ہے، بال سلجھانے مشکل ہوں تو سر کا رومال باندھتے وقت یونہی تین لٹیں کرکے پیچھے ڈال دیے جائیں۔

☆ میت کو غسل دیتے وقت مکمل خاموشی اختیار کریں، اس وقت کسی قسم کی دعائیں، نعتیں یا اشعار پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید لباس پہنا کرو، یہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو“۔ (ترمذی)

☆ کفن میں مرد کیلئے تین کپڑے استعمال ہوتے ہیں اور عورت کے لئے پانچ کپڑے۔

کفن کس طرح بچھایا جائے:

☆ سب سے پہلے چارپائی وغیرہ پر ایک موٹی چادر بچھا دیں، جو میت کو اٹھانے اور قبر میں اتارنے میں مدد دے گی۔ ☆ کفن کو باندھنے کے لئے درمیان، سرہانے اور پیروں کی جانب پٹیاں بچھا دیں۔ ☆ اس کے اوپر بڑی چادر بچھا دیں۔ (کفن کی) ☆ اب اس چادر کے اوپر قمیص کا پچھلا حصہ بچھائیں، اگلا حصہ تہہ کرکے پیچھے کی جانب رکھ دیں۔ ☆ اس کے اوپر ناف سے پاؤں تک تہبند بچھائیں۔ ☆ پھر سینہ بند گردن سے گھٹنوں تک بچھائیں۔

کفن پہنانا:

نہلانے والے تختے سے چادر پر اٹھا کر میت کو اس جگہ پر رکھیں جہاں کفن بچھایا گیا ہے، احتیاط سے رکھیں کہ بچھا ہوا کفن ہلنے نہ پائے۔ ☆ جس چادر پر اٹھایا تھا اب وہ چادر کروٹ دلا کر نکال دیں، اوپر کی چادر ابھی نہیں ہٹائی جائے گی، اس کے اندر سے ہی کفن پہنانے کا عمل جاری رہے گا۔ ☆ ہر کپڑے کا بایاں حصہ اندر اور دایاں اوپر آئے گا اور مضبوطی سے لپیٹا جائے گا۔ ☆ اب ترتیب وار جو کپڑے پہلے بچھائے تھے انہیں لپیٹنا شروع کریں، بائیں جانب سے سینہ بند کو دائیں جانب لے جاکر اچھی طرح دبا دیں، اس کے بعد تہبند لپیٹ دیں، سب کپڑے اچھی طرح لپیٹیں، سر کی طرف تہہ کی ہوئی قمیص کے کٹے ہوئے حصے میں سے سر نکال کر یہ کپڑا میت کے سینے پر ڈال دیں اور دونوں بازو سے اچھی طرح دبا دیں۔ ☆ سر کے رومال کو عورت میت کے ماتھے (پیشانی) اور کانوں کو ڈھانپتے ہوئے سامنے گردن کے گرد لپیٹتے ہوئے پیچھے لے جاکر باندھ دیں۔ بال اچھی طرح اندر ہونے چاہئیں۔ ☆ جو چادر پردے کے لئے ڈالی گئی تھی اب اسے ہٹا دیں، اب جو کفن کی بڑی چادر سب سے پہلے بچھائی گئی تھی اسے اچھی طرح لپیٹ کر، سر پیر اور درمیان میں جو پٹیاں بچھائی تھیں ان سے گرہ لگا دیں۔ قبر میں اتارنے کے بعد یہ گرہیں کھول دی جائیں گی۔ ☆ جن لوگوں نے میت کو غسل دیا ہے ان کے لئے مستحب یہ ہے کہ غسل کرلیں، صرف وضو بھی کرلیں تو کافی ہے۔

نوٹ: ہنگامی حالات میں اگر یہ سب چیزیں میسر نہ ہوں یا میت کی ایسی حالت ہے کہ اسے غسل نہیں دیا جاسکتا تو تیمم بھی کروایا جاسکتا ہے۔ مخصوص حالات میں بطور کفن ایک کپڑا بھی دستیاب ہو تو کفنایا جاسکتا ہے۔ مجبوری میں ایک خاتون بھی غسل دے سکتی ہے۔ ●●

بقیہ: اولاد کی تربیت کی ضرورت واہمیت

نہ مان، دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ، مگر پیروی اس شخص کے راستہ کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو، (اور لقمان نے کہا تھا کہ) بیٹا اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور باخبر ہے بیٹا نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین پر اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف یوں فرمائی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور (جنت کے مستحق وہ بھی ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ (سورۂ فرقان: ۷۴) ●●

بقیہ: اندیشوں اور خطرات کا دور کیا جانا ضروری ہے مگر......

روک تھام ضروری ہے، اور ہر کسی پر اس کا اطلاق ہونا چاہئے، اگر کسی کو تو ہتھیار جمع کرنے، بنانے اور پھیلانے کی اجازت ہو اور دوسروں کو اس سے روکا جائے تو امن وسلامتی کی کبھی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ اس سے تو ایک طرح کا خوف اور دہشت پیدا ہوگی۔ وہ اپنی بات منوانے کی کوشش کرے گا اور بات بے بات لوگوں کو ڈرائے دھمکائے گا اور ہتھیار کا خوف دلا کر اپنا کام نکلوانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت پورے عالم میں یہی کیفیت طاری ہے، امریکہ اور اس جیسے دوسرے بڑے ممالک کہتے تو یہ ہیں امن عالم کے قیام کے لئے اقوام عالم کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے ہتھیاروں کا خاتمہ ضروری ہے، اس میں عام ہتھیار بھی شامل ہیں اور خطرناک ہتھیار یعنی جوہری اسلحہ بھی شامل ہیں، لہٰذا اس کا جمع کرنا، بنانا، پھیلانا، بنانے کے طریقوں کا حصول سب غلط اور ممنوع ہے مگر وہ خود کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، وہ بزبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ دوسروں کو تو اس کی پابندی کرنی چاہئے البتہ ان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے، وہ اپنا اسلحہ بھی محفوظ رکھیں گے، نئے ترکش بھی تیار کریں گے، انہیں عالمی منڈی میں بھیجیں گے بھی اور نئے نئے طریقے بھی ایجاد کریں گے۔ مذکورہ کانفرنس میں ہندوستان کی طرف سے اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ جوہری اسلحہ کا پھیلاؤ اور اسلحہ کا خاتمہ دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ لازم وملزوم ہیں۔ اسلحے کا پھیلاؤ اسی وقت رک سکتا ہے جب سرے سے اسلحہ موجود ہی نہ ہو، اگر اسلحہ خانوں میں اسلحہ موجود ہوگا تو وہ لازماً باہر آئے گا اس لئے اسلحہ قانون کو علی الاطلاق بند کرنا ضروری ہے، اور اس کی پابندی ہر کسی سے کرائی جانی چاہئے۔ ورنہ وہ مقصد حاصل ہی نہیں ہوسکے گا جو امن وسلامتی کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ ●●

بقیہ: اتراکھنڈ میں آیوروید کی ●●

تسلیم کیا گیا ہے اور اس کی اہمیت وافادیت مسلم ہے تو آخر قومی دیہی صحت مشن کے تحت کمیونٹی ہیلتھ سنٹروں اور پرائمری صحت مراکز میں یونانی یونٹ کیوں قائم نہیں کئے جاتے؟ جہاں یونانی یونٹ موجود ہیں، ان کی خستہ حالی اور زبوں حالی کو دور کرنے کی تدابیر اور کوششیں کیوں نہیں کی جاتیں؟ آیوروید ک کی طرح یونانی مراکز، سنٹروں اور یونٹوں کی تعداد کیوں نہیں بڑھائی جاتی؟ ویدوں کی طرح حکیموں کی بھرتی کیوں نہیں کی جاتی؟ کیا صرف اسلئے کہ ان تدابیر سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا؟ جبکہ حکیم غیر مسلم بھی موجود ہیں اور عوام میں مریضوں میں اہل علم ودانش میں اور صحت انسانی کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں میں طب یونانی سے زبردست ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ لوگوں کو اس کی افادیت پر زیادہ بھروسہ اور اعتماد ہے۔ کیا اچھا ہو فسطائی طاقتیں خود کو تنگ نظری کے تنگ وتاریک گڈھوں اور محدود دائروں سے باہر نکالیں۔ دل ودماغ میں وسعت پیدا کریں۔ جہاں اپنے دھرم کی وسعت کا گن گان کرتے نہیں تھکتے، اس کے رواداری اور کھلے پن کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے عملاً اپنی ذہنیت میں وسعت، رواداری اور کھلے پن کا بھی مظاہرہ کریں۔ طب یونانی سے دلچسپی رکھنے والوں کو چاہئے کہ حق معلومات ایکٹ کے تحت ریاست اور پورے ملک میں طب یونانی کی حالت کا پتہ لگا کر اعداد وشمار حاصل کرکے اس کے فروغ اور اس کے حقوق کیلئے عملی جدوجہد کریں۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ”دعوت“ ڈی ۳/۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرز: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

Financial Help Available for Popularizing Computer Literacy

کمپیوٹر تعلیم عام کرنے کیلئے مالی تعاون

کمپیوٹر تعلیم عوام تک پہنچانے کے لئے Centre for Studies on Science اسکولوں، مدرسوں، غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) اور ایسے متحرک افراد کو قومی سطح پر مالی تعاون فراہم کر رہا ہے جو کمپیوٹر لٹریسی کی ہماری قومی مہم میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ تعاون کیونکہ محدود ہے اس لئے دلچسپی رکھنے والے افراد یا ادارے جو ملک کے کسی بھی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں فوراً رابطہ قائم کریں۔ Coordinator کے نام پہلے آنے والی درخواستوں کو ترجیح دی جائے گی۔

CSOS Computer Literacy Initiative

Centre for Studies on Science

Darul Fikr, The Main Road, Iqra Colony, New Sir Syed Nagar,
Aligarh-202002, Ph.: 0571- 2401209, E-mail: shabasar@yahoo.com

ضرورت معلمات

الکوثر گرلز کالج بھٹکل کے لئے دوعدد تجربہ کار معلمات کی ضرورت ہے

(۱) عربی اور دینیات کے لئے | (۲) اُردو دینیات کے لئے

تنخواہ معیاری دی جائے گی۔ تفصیلات کے لئے رابطہ کریں

ناظم: **الکوثر گرلز کالج**

دعوت سنٹر، سلطان اسٹریٹ، بھٹکل، 581320

فون 08385-224316، موبائل 09886653606

”جو شخص دنیا سے پیار کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور بگاڑتا ہے، لوگو! دائمی کو عارضی پر ترجیح دو۔ (مشکوٰۃ شریف)

UNIQUE CREATIONS

Specialist in Unipole & Structure Hordings

#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس

سپر ٹینری لمیٹڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن ایبل لیدرز ● اَپّل ٹپ اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپّا ● شوانڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبول عام

ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی

شستہ، شگفتہ، بامحاورہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کا منفرد اور عدیم المثال ترجمہ قرآن۔ کسی بھی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآنی تک قاری کی رہنمائی کرنے والا بے مثل وبے نظیر ترجمہ قرآن، تین زبانوں اور مختلف سائزوں میں:

اُردو

● سائز: ۳۰×۲۰/۸ ● صفحات: ۸۸۸ — ہدیہ: -/Rs.280
● سائز: ۳۶×۲۳/۱۶ ● صفحات: ۱۵۷۶ — ہدیہ: -/Rs.290
● سائز: ۳۶×۲۳/۳۲ ● صفحات: ۱۵۷۶ — ہدیہ: -/Rs.140

ہندی

● سائز: ۳۰×۲۰/۸ ● صفحات: ۱۲۴۰ — ہدیہ: -/Rs.400

انگریزی

● سائز: ۳۶×۲۰/۸ ● صفحات: ۱۴۰۸ — ہدیہ: -/Rs.430
● سائز: ۳۶×۲۳/۳۲ ● صفحات: ۱۴۰۸ — ہدیہ: Rs.200

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in, Website: www.mmipublishers.net